ماہنامہ

دلیلِ راہ

لاہور

جنوری 2008ء - ذوالحجہ 1428ھ - محرم الحرام 1429ھ

بر زمین کربلا بارید و رفت
لالہ در ویرانہ ہا کارید و رفت
تا قیامت قطع استبداد کرد
موج خون او چمن ایجاد کرد

حمدِ باری تعالیٰ

مکاں ہو کہ لا مکاں وہی عیاں یہاں وہاں
حجاب حسن یار ہیں تعینات این و آں

وہ جوششِ ظہور ہے ہر ایک ذرہ طور ہے
ہر ایک چیز مست ہے فضا میں وہ سرور ہے

وہ صورتوں میں ہے عیاں وہ نکہتوں میں ہے نہاں
کہاں ہے وہ؟ کہاں نہیں؟ وہ ہے محیط این و آں

جمال اس کی ہے ضیا، کمال اس کی ہے ادا
ہر آن محوِ دید ہے دلِ حقیقت آشنا

ہے بے خودی شعور و آگہی کی حدِ آخری
سرور بے خودی میں ہے شعورِ رازِ زندگی

خود فریبِ زندگی، جنوں شعورِ زندگی
یہ رازدارِ زندگی، وہ محوِ جستجو ابھی

ہے میکدے میں کام کیا شعورِ ناتمام کا
دلیل جہل ہے یہاں شعورِ صبح و شام کا

یہاں ہے کیفِ مستقل یہاں سرورِ سرمدی
یہی اصولِ بندگی یہی کمالِ زندگی

صاحبزادہ سید فیض الحسن شاہؒ آلو مہار شریف

نعت شریف

تیرے وقار پر فدا رعب و جلالِ موسوی
تیرے جمال پر نثار جلوۂ حُسنِ یوسفی

خم ہے تری جناب میں فرق لوائے قیصری
زرد ہے تیرے رُوبرو رنگِ شکوہِ خسروی

تیری عطائے بے حساب باعثِ شانِ دُنیوی
تیری دعائے مستجاب وجہِ نجاتِ اُخروی

تیری نگاہِ لطف ہے چارۂ دردِ عاجزی
خندۂ زیرِ لب ترا مرہمِ زخمِ بے کسی

ساقیِ محفلِ الست رحمتِ عام سے تری
آ گیا اعتدال پر کیفِ مزاجِ زندگی

سازِ بلال کی قسم سوزِ جنید کی قسم
نغمۂ سازِ عشق ہے تیری ادائے دلبری

حاصلِ زندگی ہے بس حلقۂ بندگی مرا
اس کے سوا نہیں کوئی میری متاعِ اُخروی

کرتے ہیں تیری ذات پر ناز تمام انبیا
تیری قبائے حُسن ہے تابِ رُخِ پیمبری

نکہتِ زُلف سے تری مست ہوا ہے پھول پھول
کیفِ جمال سے ترے جھوم اُٹھی کلی کلی

جلوے ہیں کس قدر حسیں تیرے نیاز و ناز کے
لطفِ جمالِ بُوذری، شانِ جلالِ حیدری

تابِ سفر نہیں ہے اب منزلِ شوق دُور ہے
منظرِ کرم ہے اب فیض کی پا شکستگی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

''بے تاب جذبوں میں ہے صورت شادمانی کی''

جماعت اہل سنت پاکستان نے ۱۲ جنوری ۲۰۰۸ء کو مرکزی شوریٰ کا اجلاس طلب کیا ہے۔ ملک کی سب سے بڑی مذہبی جماعت کا ایوانِ فکر اس بات پر غور و فکر کرے گا کہ اس وقت اسلام کا پرچم بلند سے بلند تر کرنے کے لیے کن اقدامات کی ضرورت ہے؟ ہم سمجھتے ہیں کہ امتِ مسلمہ کی ترقی کے لیے شعائرِ اسلام کی تبلیغ روحانی بنیادوں پر ہی کارآمد ہوسکتی ہے۔

''والعصر'' یہ بات روزِ روشن کی طرح مبرہن ہے کہ اسلام کے عقیدہ کی حفاظت ہمیشہ صوفیائے اسلام، علمائے کرام اور نیک دل حکمرانوں نے کی ہے۔ بلاشبہ خانقاہوں اور آستانوں پر متصوفین کی ایک فوج حقیقی دینی مقاصد سے دور ہٹ چکی ہے۔ ان کے رویے، افکار اور افعال اسلام کے چمنستان میں خودرو کانٹے دار جھاڑیوں کی طرح ہیں۔ کتاب و سنت سے وہ لوگ بہت دور ہٹ چکے ہیں۔ پدرم سلطان بود کے وہاں وظیفے اور وِرد پڑھے جاتے ہیں۔ ''جلب زر'' کے منشور میں وہاں زندگی بسر ہوتی ہے۔ بھنگ نوشی اور چرس مستی کے رجحانات کی تبلیغ کی جاتی ہے۔ رقص و سرود ذہنی فطانت کے ساتھ مقدس کام سمجھے جاتے ہیں۔ ضرورت ہے کہ خانقاہ و آستانہ کو ٹھیک کیا جائے۔ متقی، زاہد، باشعور اور شب زندہ دار صوفیاء سے استمداد کی جائے۔ ایک تحریک بپا ہو اور ایک کوشش کی جائے کہ اسلام کے حقیقی وارث عالمی سطح پر احیائے اسلام کا پرچم بلند کریں۔ رسم کی جگہ سنت لے اور ناقص خود ساختہ عبادتوں کی جگہ کتاب و سنت کا اتباع ہو۔ اعتدال اور میانہ روی کی حرکات ارزاں کی جائیں اور اسلامی فکر و شعور استدلال اور شواہد کے ساتھ لوگوں کے سامنے پیش ہوں۔

شاہ ولی اللہ رحمہ نے تفہیمات میں کتنی خوبصورت دعوت دی ہے:

> ''میں مشائخ کی اولاد کو جو استحقاق کے بغیر گدیوں پر بیٹھے ہیں کہتا ہوں اے لوگو تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ ہر شخص تم میں سے اپنی ہی بنائی ہوئی راہ پر چلتا ہے۔ تم نے وہ طریقے چھوڑ دیے جو اللہ نے اپنے رسول ﷺ کے ذریعے دیے ہیں۔ جو سراسر لطف رحمت اور عنائت ہیں''۔

وقیلہ! وہ لوگ ابھی تک معاشرہ میں موجود ہیں جن کی راتیں دودھیا ستاروں سے زیادہ روشن ہیں اور اخلاق میں دھنک کے رنگوں سے زیادہ اثر ہے۔ ان کی گفتار کردار اللہ کی برہان ہیں۔ ضرورت ہے کہ انہیں دعوت الیٰ اللہ کے ذریعے منظم کیا جائے اور آمادہ کہ اصلاح کا کام کرنے کے لیے وہ راہ شبیری اختیار کریں۔

والضحیٰ! روشنی اور نور صرف حضور ﷺ کے دیے ہوئے صراط مستقیم پر ملتا ہے۔ یہ بات کوہ قاف سے بھی زیادہ مستحکم اور مضبوط ہے کہ قافلہ صوفیہ اگر عالمی سطح پر ''علم اور ورد'' کے ماحول میں اسلام کی تبلیغ کا بیڑا اٹھالے تو جو کام ہم میدان جنگ میں نہیں کر سکے واللیل! وہ کام لمحوں میں ممکن ہوسکتا ہے۔

علم نور ہے اور علماء زمانے کی آنکھ ہوتے ہیں۔ حضرت احمد سعید کاظمی رحمۃ اللہ فرمایا کرتے تھے کہ سچا، راسخ اور حق مقال عالم اللہ کی نعمتوں میں سے ایک نعمت ہوتا ہے۔ اب ہماری بدقسمتی کہ علماء کا وہ طبقہ جو علم میں علم کی حیثیت رکھتا ہے فطرت نے انہیں صلاحیتیں عطا فرما رکھی ہیں لیکن وہ اپنے زمانے کے روحانی اور دینی تقاضوں سے نابلد ہیں۔ علم کے حجاب یا عمر کے ازدیاد نے ان کو تنگ مزاج بنا دیا ہے۔ لوگ ان کے پاس پھٹک نہیں سکتے۔ گویائی میں کمال اور فکر میں سرعت انتقال مطلب کی تعبیرات گھڑنے پر انہیں اکساتی رہتی ہیں۔ وہ انا ولا غیری کے ڈنکے بجاتے ہیں۔ تکبر غرور ان کی رگوں میں ہیجان پیدا کرتا رہتا ہے۔ تکلف کی چادریں ان لوگوں نے اوڑھ رکھی ہیں۔ ان کے خطبات لوگوں کی پہنچ سے ماوری ہیں۔ وہ منطق اور فلسفہ ادھیڑتے بنتے رہتے ہیں۔ دوسروں کو حقارت کی نظر سے دیکھنا زبروں زیروں میں الجھے رہنا ان کا وتیرہ ہے۔ باقی رہ گئے دیہاتوں کے خطیب اور آئمہ تو بے علمی اور حرص آز کے مہلک الاؤ ان کو ہمہ دم جلا رہے ہیں۔ مدارس جنگل بنتے جا رہے ہیں۔ میں یہ نہیں کہتا کہ اچھے لوگ نہیں۔ صحیح بات یہ ہے کہ اچھے لوگوں کی وجہ سے ہمارا بھرم قائم ہے۔ لیکن امام غزالی نے جو کچھ احیاء العلوم میں لکھا وہ لفظ بہ لفظ درست ہے۔

> ''ہائے افسوس ہائے افسوس علماء سو کی تلبیسات کی وجہ سے دین کا علم مٹ گیا پس اللہ ہی کی مدد۔ اس دشواری میں اسی کی پناہ۔ اس فریب سے اللہ ہی بچا سکتا ہے جس سے خدا کا غضب بھڑکتا ہے اور شیطان بھی جس پر ہنستا ہے''۔

ریاکاری، تصنع، اور دنیا پرستی نے ہم سب کو زندگی کے حقیقی مقاصد سے دور کر دیا ہے۔ اس وقت ضرورت ہے کہ ہم اخلاق کی تباہی کو محسوس کریں اور مدرسہ مسجد اور زاویہ سب کی اصلاح کے لیے اٹھ کھڑے ہوں۔ ورب الکعبہ! اس وقت مذہب اور زندگی ایک دوسرے کا ساتھ چھوڑتے چلے جا رہے ہیں۔ اس لیے علماء کو چاہیے کہ وہ دین کے اعلیٰ اصولوں کو عملی زندگی میں جاری کرنے کے لیے روحانی انقلاب کا ماحول بنائیں۔ ہمیں اپنی کوتاہی سے زندگی کے قافلے سے بچھڑنا نہیں چاہیے۔ جو کچھ کرنا ہے ہمیں ہی کرنا ہے اور اسی زندگی میں کرنا ہے۔

سیاست دانوں امراء اور سلاطین کو چاہیے تھا کہ وہ ملاء اعلیٰ کی مرضی سمجھ کر چلتے۔ مسلمانوں کی سلطنتوں میں عادل امام مقرر ہوتے۔ ان کی اتباع دینی جذبوں سے ہوتی نظام شریعت کا نفاذ اللہ کا حکم سمجھ کر کیا جاتا۔ بُرے اخلاق اور فسق و فجور پر پابندی ہوتی۔ مطائبات اور منکر کے خلاف مسلمان حکمران اسلامی جذبے سے پڑ جاتے، سرکش مشرکین کے خلاف زبردست جہاد ابھارا جاتا فساد جدال اور ارتداد کو بطاقت روکا جاتا حکمران اللہ کے معاملے میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہ ڈرتے نیکی کا حکم چلتا اور بُرائی سے منع کیا جاتا۔ امرا کے وجود خیر اور صلاح کے سرچشمے ہوتے لیکن آج اسلامی قلمرو میں ہمارے حکمران تشتت اور افتراق کا شکار ہیں۔ فانی لذتوں نے ان سے شوق دین چھین لیا ہے۔ رعایا مسائل کے ملبے تلے دب چکی ہے۔ کافر سلطنتیں مسلمانوں کو ذلیل کرنے پر تلی ہوئی ہیں۔ فحاشی اور عریانیت نے نوجوانوں کو دیمک کی طرح چاٹ لیا ہے۔ شراب نوشی اور جوئے کا بازار گرم ہے۔ کسی کی جان سلامت نہیں۔ فوج جذبے کی بجائے معاشی صنعت کی صورت اختیار کر گئی ہے۔ ڈاڑھیاں منڈوائی جاتی ہیں۔ حکمت ترک دین کا نام بن گیا ہے۔ اہل عقد و کشا نمازوں کے قیام سے غافل ہیں۔ صنعتیں فنا ہو رہی ہیں۔ کاروبار سودی لین دین کی مہلک کھائیوں میں گر چکے ہیں۔ زمینیں بنجر پڑی ہیں۔ چوری اور ڈکیتی عام ہے۔ حکم عدولی و نافرمانی معمول ہے۔ امانتیں ضائع ہو رہی ہیں۔ عام لوگوں پر بخل اور کنجوسی کا غلبہ ہے۔

جب سب کچھ تباہ ہو رہا ہے تو ہم مذہبی جماعتیں چلانے والوں کو صرف ان کا فرض منصبی یاد کرائیں گے۔ اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان فراموش نہ کیا جائے اور اسلامی زندگی کے تقاضوں کو پورا کرنے کے لیے انتھک محنت کی جائے۔ کامیابی کی چابیاں تو اللہ ہی کے پاس ہیں۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ﴿۱۰۲﴾ وَاعْتَصِمُوْا
بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا ۠ وَاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَآءً فَاَلَّفَ بَيْنَ
قُلُوْبِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖۤ اِخْوَانًا ۚ وَكُنْتُمْ عَلٰى شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَاَنْقَذَكُمْ مِّنْهَا ۗ
كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ﴿۱۰۳﴾ وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى
الْخَيْرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ ۭ وَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿۱۰۴﴾

اے ایمان والو! ڈرو اللہ سے جیسے کہ اُس سے ڈرنے کا حق ہے اور تمہیں ہرگز موت نہ آئے مگر اس حالت میں کہ تم مسلمان ہو (۱۰۲) اور اللہ کی رسی کو سب مل کر مضبوطی سے تھام لو اور آپس میں بکھر نہ پڑو اور اپنے اُوپر اللہ کی اس نعمت کو یاد کرو کہ جب تم آپس میں دشمن تھے تو اُس نے تمہارے دلوں کو جوڑ دیا اور تم سب اس کی نعمت کی وجہ سے بھائی بھائی ہو گئے اور تم تو آگ کے ایک گڑھے کے کنارے تھے تو اس نے تمہیں اس سے بچالیا اسی طرح اللہ تمہارے لئے اپنی آیتیں بیان فرماتا ہے تا کہ تم ہدایت پر قائم رہو (۱۰۳) اور تمہارے اپنوں میں سے ایک جماعت ضرور ہونی چاہیے جو بلاتے رہیں بھلائی کی طرف اور حکم دیتے رہیں اچھے کاموں کا اور منع کرتے رہیں برائی سے اور وہی لوگ فلاح پانے والے ہیں (۱۰۴) سورہ آل عمران

اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو دشمن پر فتح دے اور دینی شعور سے نوازے کہ وہ اپنی زندگی کی قیمتی گھڑیاں نیکی کی راہ میں صرف کرسکیں۔

آمین یارب العالمین۔

مدیر

سید ریاض حسین شاہ

حرف حرف روشنی

سید ریاض حسین شاہ قرآن مجید فرقان حمید کی تفسیر "تبصرۃ" کے عنوان سے تحریر کر رہے ہیں۔ ان کا اسلوب نگارش منفرد اور دیگر مفسرین سے مختلف بھی ہے اور دلچسپ بھی۔ انداز بیان سادہ اور دلکش ہے جس میں رموز و معانی کا سمندر موجزن ہوتا ہے۔ ذیل میں ہم قارئین کی دلچسپی کے لیے سورۃ التکاثر کی ابتدائی آیات کی تفسیر پیش کر رہے ہیں۔ (ادارہ)

سید ریاض حسین شاہ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

أَلْهَاكُمُ التَّكَاثُرُ ﴿١﴾ حَتّٰى زُرْتُمُ الْمَقَابِرَ ﴿٢﴾
كَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ﴿٣﴾ ثُمَّ كَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ﴿٤﴾
كَلَّا لَوْ تَعْلَمُوْنَ عِلْمَ الْيَقِيْنِ ﴿٥﴾ لَتَرَوُنَّ الْجَحِيْمَ ﴿٦﴾
ثُمَّ لَتَرَوُنَّهَا عَيْنَ الْيَقِيْنِ ﴿٧﴾
ثُمَّ لَتُسْئَلُنَّ يَوْمَئِذٍ عَنِ النَّعِيْمِ ﴿٨﴾

تمہیں غافل بنا دیا کثرت طلبی کی ہوس نے (۱) یہاں تک کہ تم قبروں کو دیکھ لو (۲) ہرگز نہیں تم عنقریب جان لو گے (۳) پھر ہاں تو تم عنقریب جان لو گے (۴) ہرگز نہیں بہتر ہوتا کہ تم ایسے جانتے کہ تمہارا علم یقین کی حد تک محکم ہو جاتا (۵) تم دیکھ کر رہو گے جہنم کو (۶) پھر ضرور تم اسے یقین کی آنکھ سے دیکھ لو گے (۷) پھر ضرور تم سے اس دن نعمتوں کے بارے میں سوال ہو گا (۸)

''سورہ التکاثر'' جانِ رحمت ﷺ کی مکی زندگی میں آپ کے صفحۂ دل پر نازل ہوئی۔ یہ ایک رکوع اور آٹھ آیتوں پر مشتمل گنجینۂ اصلاح ہے۔ بیہقی کی روایت ہے کہ حضور انور ﷺ نے ایک مرتبہ ارشاد فرمایا تم لوگ ہر روز ایک ہزار آیات کیوں نہیں تلاوت کر لیتے؟ لوگوں نے عرض کی یارسول اللہ ﷺ ہر روز کوئی شخص کس طرح ہزار آیتیں پڑھ سکتا ہے آپ فرمانے لگے کیا تم سورۃ التکاثر نہیں پڑھ سکتے۔۔۔۔۔''

سورۃ کا لب ولہجہ مہیب، جلیل الشان اور خوابِ غفلت سے بیدار کرنے والا ہے۔ لفظوں کی ترکیب روح تک کو جھنجھوڑ دینے والی ہے سورۃ کے صوتی اثرات احتساب کی تحریک ابھارتے ہیں۔ انسان کا خالق نفس اور روح دونوں سے قریب تر معلوم ہوتا ہے۔ اس کی آواز باطن کے کان سننے لگ جاتے ہیں۔ اصلاحِ نفس کے بنیادی محرکات سورت کے اسلوب میں ملاحظہ کیے جاسکتے ہیں۔ لگتا ہے کہ سورت کی آٹھ آیتیں جنت کے آٹھ دروازے کھول رہی ہیں۔ سورۃ التکاثر کی تلاوت سن کر بدمست انسان اور مال و دولت پر اترانے والے غافل لوگ سورت کے آئینے میں نارِ جہنم کے بھڑکتے شعلے دیکھنے لگ جاتے ہیں، سورت میں لفظوں کو اتارنے والا لوگوں میں احساس پیدا کرتا ہے، وہ مُندی ہوئی آنکھیں کھولیں، شعور پر مال و زر کا دبیز سحر توڑیں اور آخرت پر یقین پیدا کریں اس لیے کہ یہ یقین ہی دنیا میں کلفتوں کو اطمینان سے بدل سکتا ہے اور یقین ہی دوزخ کی آگ سے بچا سکتا ہے۔ یقین کے بغیر نفس نفاست کھو دیتے ہیں اور یقین کے ساتھ نفس نفیس بن سکتے ہیں۔۔۔۔۔''

سورت کے مضامین پانچ نوعیت کے ہیں۔

☆ تفاخر اور تکاثر کی مذمت

☆ زیارتِ مقابر سے غفلت

☆ مہیب تنبیہ کے شعوری اثرات

☆ شعوری انقلابات کے لطیف مراحل

اور

☆ نعمتوں کے استعمال پر کڑا احتساب

سورت کے شانِ نزول میں شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا قبیلہ عبد مناف اور بنو سلیم کے درمیان تکرار ہو گیا کہ ان دونوں میں سے اعلیٰ وارفع کون ہے۔ ہر فریق اپنی برتری ثابت کرنے کے لیے افرادی قوت، اموال اور زر زمین کا حوالہ دینے لگا یہاں تک کہ مرجانے والے لوگوں کی قبریں بھی گنی جانے لگیں۔ اس پر سورۃ التکاثر کے نزول نے جھنجھوڑا کہ شرف وعزت کے حقیقی معیار تلاش کیے جانے چاہئیں۔

عبداللہ بن الشخیر ﷺ حضور انور ﷺ کی محفل میں حاضر ہوئے تو آپ سورۃ التکاثر تلاوت فرمارہے تھے اور فرمارہے تھے:

''آدم کا بیٹا کہتا ہے میرا مال، میرا مال، حالانکہ اے انسان اس میں تیرا مال تو محض اتنا جو تو کھا کر ختم کر دے یا پہن کر پرانا کر دے یا صدقہ دے کر آگے بھیج دے''۔

أَلْهَاكُمُ التَّكَاثُرُ

تمہیں غافل بنا دیا کثرت طلبی کی ہوس نے (۱)

انسان کی روحانی اور شعوری منزل ''الٰہ'' ہے۔ شیطانی قوتیں ہر وقت شطنت کا دامِ تزویر لگائے رکھتی ہیں۔ ان کی کوشش ہوتی ہے کہ انسان الٰہ سے برگشتہ ہو اور ''لھو'' میں الجھ جائے اور لھو فاسد خواہشات کی سفلی منزل کا نام ہے۔ ہر وہ شے لھو ہے جو انسان کو صراطِ مستقیم سے بھٹکا دے، غافل کر دے اور سچے الٰہ سے دور کر دے۔ یہاں قرآن حکیم نے انسانی ذہنوں کے نفسیاتی اثر کی طرف اشارہ کیا کہ مال اور اولاد کی کثرت اور زینتِ دنیا کی حرص غفلت میں الجھانے والی چیزیں ہیں۔ انسان کی سوچ جب اس سفلی جذبہ سے دوچار ہو جائے کہ میرا کنبہ سب کنبوں سے مضبوط ہو جائے، میں ہر ایک سے اونچا اور برتر نظر آؤں، میرے ہاں مال کی ایسی ریل پیل ہو کہ میں ہی ہوں کوئی دوسرا نظر نہ آئے۔ فخر اور غرور کے یہ دواعیات بالآخر انسان کو زیر و زبر کر دیتے ہیں اور اس کے ہاں خیر کا ہر سرچشمہ خشک ہو جاتا ہے۔

آئمہ لغت نے یہ بھی لکھا کہ چھوٹے چھوٹے کاموں میں مشغول ہونا اور بامقصد بڑے کاموں سے اعراض لھو ہے۔ وہ لوگ دنیا میں انتہائی ناکام ہوتے ہیں جو افعال و اعمال میں ہدفِ راسخ قائم نہیں کر سکتے اور ترجیحات صحیح نہ ہونے کی وجہ سے ناکامیاں اور نامرادیاں ان کا مقدر بن جاتی ہیں۔

تکاثر ''کثرت'' کے مادہ سے ہے یعنی ایک دوسرے پر اپنی بڑائی جتلانا یہاں قرآن حکیم نے لھو اور غفلت کا محرک ''تکاثر'' قرار دیا۔ علامہ

فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا کہ تکاثر ''باب تفاعل'' سے ہے یعنی کسی کام دو طرف سے ہونا اس اعتبار سے مفہوم آیت میں مذمت مال کی کثرت یا افرادی قوت کے زیادہ ہونے کی نہیں بلکہ مذمت تفاخر کی ہے اور باب مفاعلہ کے اندر چونکہ ''تکلف'' بھی پایا جاتا ہے اس لحاظ سے ان رویوں کی مذمت کی گئی ہے جو دوسروں کو مجبور کر دیتے ہیں کہ وہ اخلاق عالیہ کی بلندیوں سے گر کر قعر مذلت میں آپڑیں، ہیجان انگیزی دراصل جرم ہے ایسا کام کرنا جو دوسروں کو اعتدال اور توازن سے کھینچ کر باہر لے آئے درست نہیں اور اس میں بھی شک نہیں جو لوگ ہر وقت دولت جمع کرنے کی دوڑ میں لگے رہتے ہیں ایک سے دو، دو سے تین اور تین سے چار کے چکر میں زندگی گذار دیتے ہیں اور مال و زر کی ہوس انہیں موقع ہی نہیں دیتی کہ وہ اللہ اللہ کریں، موت کو یاد رکھیں اور زندگی کے حقیقی مقصد سے وفا کر سکیں ایسے عقل کے اندھے اور خود فراموش انسانوں ہی کے بارے میں حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے:

''اگر کسی شخص کے پاس ایک وادی ہو جو سونے سے بھری ہو تو اس کی چاہت یہ ہوتی ہے کہ کاش! اس کے پاس سونے سے بھری دو وادیاں ہوں اور اس کے منہ کو سوائے مٹی کے کوئی چیز نہیں بھر سکتی اور اللہ ہی ہے جس پر چاہے رجوع کرم فرمائے۔''

حضرت عبداللہ بن عباس ؓ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے تکاثر کا مفہوم ناجائز طریقوں سے مال زیادہ کرنا بیان فرمایا ہے۔ واللہ اعلم

حضرت عیاض کی روایت ہے کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ

''اللہ نے میری طرف وحی بھیجی کہ تم لوگ انکساری سے رہو اور کوئی کسی پر فخر نہ جتلائے اور نہ کوئی کسی سے زیادتی کرے''۔ (مسلم)

حَتّٰى زُرْتُمُ الْمَقَابِرَ

یہاں تک کہ تم قبروں کو دیکھ لو (۲)

اے مال مست انسان تجھے مال اور دولت کی کثرت اور تکاثر نے اتنا اندھا اور غافل بنا دیا کہ تو بھول گیا، کہ ان میں سے ہر شے فانی ہے۔ تمہارا مباہات اور تفاخر دھرے کا دھرا رہ جائے گا اور تم قبروں میں جا پہنچو گے اور وہاں تمہیں یہ سب چیزیں کام نہ دیں گی۔ وہ انسان جس نے لقمہ قبر اور پیوند خاک بن جانا ہے، حماقت جب اس کا مقدر بن جاتی ہے وہ حذف ریزوں کو سونا اور ظلمت کو نور جاننے لگ جاتا ہے اور ممکن ہے ''حتیٰ زرتم المقابر'' میں قبائل قریش'' کی اس روش کو' بیان کرنا مقصود ہو کہ وہ اپنے آپ کو اعلیٰ و ارفع ثابت کرنے کے لئے جہاں مال شماری کرتے تھے وہاں قبر شماری میں بھی مبتلا ہو گئے۔ قرآن حکیم انسانی ذات میں حرص و آز کا الاؤ جب روشن ہو جائے تو اس کی حماقت کی تصویر کھینچتا ہے کہ بے وقوف انسان قبر کی مٹی سے عبرت گیری کی بجائے اسے بھی دنیا میں تفنے کی شی سمجھتا ہے۔ قرآن حکیم کا زور اس بات پر ہے کہ قبر کے تاریک گڑھے سے عبرت حاصل کی جائے اور اسباب دنیا کو اطاعت و وفا میں صرف کر کے قبر کو جنت کا باغ بنائے جس میں آقائے رحمت تشریف فرما ہوں تو ہر سو رحمتیں جگمگانے لگ جائیں۔

حضرت علی المرتضےٰ ؓ نے ایک مرتبہ تکاثر پڑھی اور ارشاد فرمایا:

''کیا ہو گیا ان لوگوں کو مقصد سے اتنے دور ہو گئے؟ غفلت ہی غفلت میں قبروں تک جا پہنچے۔ تکاثر کتنا رسوا کر دینے والا افتخار ہے۔ یہ لوگ افراد کی بوسیدہ ہڈیوں سے عبرت نہیں پکڑتے۔ اپنے مردوں کی ہڈیاں گن کر اپنی کثرت کے دعوے کرتے ہیں وہ اجسام جن کی حرکتیں ٹھنڈی ہو گئیں اور ان کا تار پود بھی بکھر گیا یہ لوگ ان کی کثرت کو بھی موجب افتخار سمجھتے ہیں۔''

آیت میں ایک کھلا سا اشارہ موجود ہے کہ زیارتِ مقابر تکاثر اور تفاخر کا زور توڑنے میں موثر ذرائع میں سے ہے۔ رویت یا نظر، وصل یا دخول ایسی تعبیرات ترک کر کے ''زیارت'' کا لفظ عام طور پر کسی ایسی چیز کے دیکھنے سے معنون ہوتا ہے جس سے کوئی یاد وابستہ ہو، قبر اچھے آدمی کی بھی ہو سکتی ہے اور برے آدمی کی بھی۔ بروں کی قبر سے عبرت حاصل کی جا سکتی ہے اور اچھوں کے مزار سے رحمت حاصل کی جا سکتی ہے۔ ایک مفسر کی یہ بات بے تکی معلوم ہوئی جو اس نے لکھا زیارت مقابر کی اصطلاح قافیہ کی رعایت میں لائی گئی۔ اور یہ بھی کہ زیارت قبور کی اجازت جب حضور ﷺ نے خود ارشاد فرما دی تو بحث کی مجال نہ رہی۔

كَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُونَ ۝ ثُمَّ كَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُونَ ۝

ہرگز نہیں تم عنقریب جان لو گے (۳) پھر ہاں تو تم عنقریب جان لو گے (۴)

ہرگز ایسا نہیں جیسا تم گمان کر رہے ہو عنقریب تمہیں زندگی کی حقیقی قدر و قیمت معلوم ہو جائے گی۔ قرآن مجید نے دو جملوں کے تکرار میں زور دار تنبیہ کی، سوال یہ ہے کہ وہ عرب جو قرآن مجید کے مخاطب تھے، صرف اتنی سی بات نہیں تھی کہ وہ معاشی لحاظ سے تکاثر اور معاشرتی لحاظ سے تفاخر ایسے امراض میں مبتلا تھے یا یہ بات تھی کہ معیار زندگی بلند سے بلند تر کرنے کے لئے دلوں میں حرص کی آگ لگی ہوئی تھی اور وہ ختم

ہونے کا نام ہی نہیں لے رہی تھی۔ قرآن مجید نے اس پر گرفت کی دراصل اس تکاثر اور تفاخر کے پس منظر میں وہ لوگ ایک اور جرم کا ارتکاب کر رہے تھے۔ وہ حضور انور ﷺ کو نظر انداز کرنے کا جرم ور آپ کی دعوت کو ٹھکرا دینے کا جرم تھا۔ تغافل کی تیز آگ نے ان کے حواس بھسم کر کے رکھ دیئے تھے۔ وہ لوگ تشرف اور تعظم کے معیار حقیقی سے اعراض برت کر دنیا دوں اور مال وزر کو وجہ افتخار جانتے تھے۔ قبر، حشر، ہنگامہ محشر تو داعی حق کے اشارات ہدایت تھے اور مشرکین کی کھوپڑی ان حقائق کو قبول نہیں کر رہی تھی، وہ سوچتے تھے ہم زیادہ ہیں اور محمد ﷺ اکیلے ہیں، ہم مالدار ہیں اور حضور ﷺ کی نشوونما تو ایک یتیم کی حیثیت سے ہوئی ہے۔ معاشرہ ہماری سیادت اور سرداری کا معترف ہے، ہمیں کیا ہے ہم غریبوں کی انجمن میں زندگی گزارنے والے رسول اللہ ﷺ کی اطاعت قبول کریں چونکہ ان کے کھوکھلے دعوے ان کی زندگی کو بے کار بنانے کا ذریعہ بن رہے تھے اور وہ رسول اکرم ﷺ سے قریب نہیں ہو رہے تھے۔ قرآن مجید نے تہدید کی کہ تمہیں تکاثر نے مٹا کر رکھ دیا ہے۔ کیا تم یونہی قبروں میں جا پہنچو گے۔ گویا لفظوں کے تکرار میں اشارہ تھا کہ تمہارے لئے عدالت قائم ہو چکی ہے عنقریب تم ایک ایک حقیقت بے حجاب دیکھ لو گے۔ آج موقع ہے کہ حضور ﷺ کی باتوں کی قدر کر لو۔

مفسرین نے بحوالہ دونوں قرآنی تعبیرات کو تاکید کے معنوں میں لیا ان کا خیال ہے "کلا" "حقا" کے معنوں میں ہے پھر جملے کا تکرار تاکید میں مزید اضافہ کر رہا ہے اور ایک دوسری جماعت نے پہلی آیت کو عذاب قبر اور عذاب برزخ کے معنوں میں لیا ہے اور دوسری آیت کو قیامت کے معنوں میں لیا ہے۔ امام فخر الدین رازی ؒ نے زر بن جیش ؓ کے حوالے سے حضرت علی ؓ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ ہم عذاب قبر کے بارے میں شک میں پڑے تھے یہاں تک کہ سورہ تکاثر نازل ہوئی۔ اس طرح حضرت علی ؓ پہلی آیت کو عذاب قبر کے معنوں میں لیتے تھے۔

كَلَّا لَوْ تَعْلَمُوْنَ عِلْمَ الْيَقِيْنِ ﴿٥﴾

ہرگز نہیں بہتر ہوتا کہ تم ایسے جانتے کہ تمہارا علم یقین کی حد تک محکم ہو جاتا (۵)

غفلتوں کی مے نوشی کرنے والوں کی الٹی سوچوں، منفی اعمال اور بے نتیجہ رویوں کا سبب کیا ہے۔ اصل میں انہیں یقین نہیں آ رہا کہ ایک دن ایسا بھی آنا ہے جس دن وہ جہنم کو روبرو دیکھ لیں گے۔ یقین ایک قوت ہے ایک ایسا محرک جس سے ایمان افروزی اور اخلاق سازی کے مراحل طے کئے جا سکتے ہیں۔ قرآن حکیم نے اس کے لطیف مرحلوں کی طرف اشارہ کیا ہے۔ آپ جانتے ہیں کہ یہ سڑک مدینہ تک پہنچاتی ہے یہ علم الیقین ہے جب آپ نے اس کو آنکھوں سے دیکھ لیا اور اس پر چل پڑے یہ عین الیقین ہے اور جب آپ اس پر چل کر مدینہ پہنچ گئے یہ حق الیقین ہے۔ سچائی اور تلاش کی راہوں میں گامزن شخص کا سرمایہ تینوں مراحل ہیں۔ علم الیقین اسے خبر ہو اور وہ جانتا ہو کہ اسلام کی راہ ہی اللہ تک پہنچانے والی ہے۔ حضور ﷺ کی سیرت ہی منزل کی ضمانت ہے اور آخرت کے حوالے سے یہ جان لینا کہ کھیت میں جو کچھ بویا جاتا ہے وہی کچھ کاٹا جاتا ہے۔

از مکافات عمل غافل مشو　　گندم از گندم بروید جو از جو

ہم دنیا میں رہ کر آخرت سنوار سکتے ہیں۔ اہل اللہ کو ان حقائق پر دنیا ہی میں یقین کا آخری درجہ حاصل ہو جاتا ہے۔ عین الیقین بھی اور حق الیقین بھی۔ وہ تکاثر اور تفاخر ایسے موذی امراض سے بچے ہوتے ہیں اس لئے کہ وہ اصحاب یقین ہوتے ہیں۔ ہر لحاظ سے مطمئن ہر قسم کے تردد سے مبرا ان کا یقین ان کی ڈھال بھی ہوتی ہے اور ان کا اسلحہ بھی، وہ آگ میں کود جاتے ہیں، انہیں یقین حاصل ہوتا ہے ان کا بھیجنے والا آگ کو گلزار کر سکتا ہے اور آتش نار کے شعلے گلزار حقیقت بن جاتے ہیں۔ وہ خشکی پر سفینہ میں بیٹھتے ہیں لیکن انہیں یقین حاصل ہوتا ہے ابھی طوفان ابھرے گا اور ہر چیز کو اپنی لپیٹ میں لے لے گا۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"میت کے پیچھے تین چیزیں آتی ہیں دو واپس چلی جاتی ہیں ایک میت کے ساتھ رہ جاتی ہے۔ گھر والے، مال اور اعمال پیچھے آتے ہیں، مال اور اہل تو واپس لوٹ جاتے ہیں اور اعمال اس کے ساتھ رہتے ہیں۔" (مظہری / مواہب / بخاری)

آیت میں "کلا" مفہوم مبینہ کو مؤکد کرنے کے لئے ہے اور "لو" ترکیب میں خود بتاتا ہے کہ اس کے بعد کوئی ایسی بات ہے جسے حذف کر دیا گیا ہے محذوف کو سر آیت بنا کر "علم الیقین" کا بیان دو چیزوں کو کھول دیتا ہے ایک علم اور دوسرا یقین۔ علم دراصل نصاب صداقت کا نام ہے اور یقین درحقیقت اہلیت طالب کا عنوان ہے یا یوں کہہ لیجئے علم معلم چاہتا ہے اور یقین دلیل سے حاصل ہوتا ہے۔ قرآن حکیم کا یہ کہنا اے کاش! دراصل معلم کائنات کے جستجو اور ان کی بات پر ایمان کا داعی ہے اور توحید، رسالت اور آخرت کے وہ دلائل جو آپ نے بیان فرمائے ہیں علم الیقین یہاں تک کہ حق الیقین پیدا کرنے ہی سے سمجھے جا سکتے ہیں الغرض زور اس بات پر ہے کہ اگلے دن کی تیاری کی جائے۔

لَتَرَوُنَّ الْجَحِيْمَ ﴿٦﴾ ثُمَّ لَتَرَوُنَّهَا عَيْنَ الْيَقِيْنِ ﴿٧﴾

تم دیکھ کر رہو گے جہنم کو(۶) پھر ضرور تم اسے یقین کی آنکھ سے دیکھ لوگے(۷)

مفسرین نے اس جملے کو دو طرح سمجھا ہے ایک تو یہ کہ دوزخ کا دیکھنا کفار کے ساتھ مخصوص ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے تمام جنوں اور انسانوں کو جہنم کے پاس سے گذرنا ہوگا۔ تفہیم کا دوسرا رخ یہ ہے کہ دیکھنے سے مراد اس دنیا میں رہتے ہوئے شہود قلبی یا مشاہدہ روحی ہے یعنی اگر تمہیں علم الیقین کی دولت حاصل ہو جاتی تو تم دوزخ کا مشاہدہ اسی عالم میں کر سکتے تھے۔ جمہور کا قول پہلا ہی ہے ہمارے مطالعے کے مطابق علم الیقین اور حق الیقین دونوں کا تعلق رویت دوزخ ہی سے ہے، الفاظ کی ندرت دراصل اعتقاد کی قوت بڑھانے کے لئے ہے اور اصطلاحات کی تعریف صرف اس لئے ہے کہ آخرت پر یقین مضبوط ہو جائے اور انسان اپنے نفس کو روحانی اور بدنی رذائل سے بچا سکے۔

کلام کی تالیف میں غور وفکر کرنے سے جو چیزیں سامنے آتی ہیں ملاحظہ ہوں۔ سورت میں ''کلا'' کا تکرار تین مرتبہ ہوا۔ ''لو'' ایک مرتبہ استعمال ہوا لیکن اس کا تعلق تین آیات سے مربوط کیا گیا۔ ''ثم'' ترکیب کلام میں تین مرتبہ استعمال ہوا۔ اسی طرح ''تعلمون'' بھی کلام میں تین مرتبہ لایا گیا۔ خیال ہے کہ تالیف اعجاز القرآن کا حصہ ہے۔ الفاظ کا زیر و بم اور ہبوط وصعود سورت کے فکری مرکز اور عمود کو نہایت مضبوط اور مستحکم کر دیتا ہے۔ کلا تردد اور شک کی نفی کرتا ہے۔ ''لو'' کی تعبیر عامل مکلف کو سمجھانے میں مدد دیتی ہے۔ ثم کا تکرار کلامی تدریج کے خوبصورت وقفوں سے غور وفکر کے وسائل فراہم کرتا ہے۔ گویا سورت سمجھاتی ہے کہ آخرت کا عقیدہ تکاثر اور تفاخر ایسے امراض سے نجات دہندہ ثابت ہو سکتا ہے۔

قاضی ثناء اللہ پانی پتی لکھتے ہیں کہ

''ممکن ہے ''لو'' شرطیہ ''اذا'' ظرفیہ کے معنوں میں ہو اور اس سے مراد ہو موت کا وقت یعنی موت کے وقت جب تم کو آخرت کا یقینی علم حاصل ہوگا تو جہنم کو تم خود دیکھ لوگے، مگر تلافی مافات کا وقت گزر چکا ہوگا۔''

ثُمَّ لَتُسْـَٔلُنَّ یَوْمَئِذٍ عَنِ النَّعِیْمِ ﴿۸﴾

پھر ضرور تم سے اس دن نعمتوں کے بارے میں سوال ہوگا(۸)

اللہ تعالیٰ نے حضرت انسان کو ان گنت نعمتوں سے نوازا۔ بدن میں صحت دی، طاقت سے نوازا اور حسن وجمال کی زینت بخشی۔ معاش میں روزی دی اور اس میں نوع انوع کی برسات کروی، معاشرت میں رشتے ناتے بخشے، اقدار عطا فرمائیں اور رہنے سہنے کا سلیقہ بخشا، روح کے لیے علم اور وحی کا نور نازل ہوا اور معلمین صدق انبیاء کو مبعوث کیا اور سب سے بڑھ کر کائنات مادہ ومعنیٰ کو بکھرنے سے بچانے کے لئے حضور ﷺ کو مبعوث فرما کر انھیں احسان عظیم قرار دیا۔ سعادتوں کے سب سرچشمے رب کریم نے انسان کے نام کر دیے اور اسے صرف شکر وسپاس کا پابند کیا۔ اب ہر انسان پر لازم ٹھہرا کہ وہ اللہ کی نعمتوں پر اس کا شکر ادا کرے۔ زیر مطالعہ آیت اس احساس کو اجاگر کرتی ہے اور واشگاف انداز میں انسان کو مخاطب کرتی ہے کہ بروز قیامت تم سے نعمت کی بازپرس ہوگی کہ تم نے نعمتوں کا شکر نہیں کیا اور ناشکری کی۔ بغوی نے یہی لکھا دیا میں انسان جس جس نعمت کے ساتھ زندگی گزارتا ہے قیامت کے دن سوال ہوگا کہ اس نعمت پر شکر بھی ادا کیا یا نہ کیا۔ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ''آیت میں خطاب انہی لوگوں کو ہے جو تکاثر اور تفاخر کا شکار ہوتے ہیں۔''

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ بندہ سے جس طرح مال کے متعلق بازپرس ہوگی اسی طرح اس کے مرتبہ کے متعلق بھی سوال ہوگا (طبرانی)

حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں اگر کوئی شخص ایک قدم بھی چلے گا تو اس سے پوچھا جائے گا کہ قدم اٹھانے سے تیرا مقصد کیا تھا (ابونعیم)

حضرت معاذ ﷺ روایت فرماتے ہیں کہ بروز قیامت انسان کی ہر کوشش کے بارے میں سوال ہوگا یہاں تک کہ آنکھوں میں کسی نے سرمہ بھی لگایا تو پوچھ ہوگی (ابونعیم)

بیہقی کی روایت ہے اگر کسی شخص نے خطبہ دیا تو اس کے متعلق بھی پوچھ ہوگی مقصد کیا تھا؟

حضرت ابوہریرہ ﷺ نے فرمایا حضور ﷺ ارشاد فرماتے ہیں کسی شخص کے قدم پل صراط سے نہیں ہٹیں گے جب تک اس سے چار چیزوں کی بازپرس نہ ہو جائے:

☆ عمر کس کام میں بسر کی

☆ جسم کو کس کام میں استعمال کیا

☆علم کے مطابق کتنا عمل کیا

☆اور مال کہاں سے کمایا کہاں خرچ کیا

حضرت علی ﷺ فرماتے ہیں جو لقمے کھاتے ہو اور جو پانی پیتے ہو تو اس نعمت کے متعلق بھی سوال ہوگا۔

حضرت ابو ہریرہ ﷺ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ نے حضرت ابو بکر ﷺ اور حضرت عمر ﷺ سے کہا چلو ابو الہیثم انصاری ﷺ کے ہاں چلیں اس طرح آپ انہیں ابو الہیثم ﷺ کے نخلستان لے گئے۔ حضرت ابو الہیثم ﷺ نے ایک کھجوروں کا خوشہ آپ کی خدمت میں پیش کیا۔ ایک حدیث شریف میں ہے کہ کھجوریں، ٹھنڈا پانی اور بکری کا بچہ ذبح کرنے کے بعد بھون کر پیش کیا۔ حضور ﷺ نے ساتھیوں کے ساتھ تناول فرمایا اور پھر صدیق ﷺ، فاروق ﷺ کو مخاطب کر کے فرمایا۔

ثُمَّ لَتُسْـَٔلُنَّ يَوْمَئِذٍ عَنِ النَّعِيمِ ۝

پھر ضرور تم سے اس دن نعمتوں کے بارے میں سوال ہوگا (۸)

حضرت عبد اللہ بن مسعود ﷺ فرماتے ہیں حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا امن اور صحت کے بارے میں بھی پوچھا جائے گا۔

اس میں کوئی شک نہیں آیت میں جس سوال اور باز پرس کا ذکر ہے وہ کفار اور مسلمانوں بھی سے ہوگی اور ہر نعمت سے متعلق پوچھا جائے گا لیکن عمود سورت لگتا ہے حضور ﷺ کی صورت میں اللہ تعالیٰ کے احسان عظیم سے مشرکین جو اعراض برتتے تھے کہا جا رہا ہے آج جنہیں تم نظر انداز کر رہے ہو اور ان کی دعوت کو قبول نہیں کر رہے وہ وقت آنے والا ہے جب تمہارا محاسبہ ہوگا۔ ایک مفسر نے سورۃ التکاثر کے بارے میں کتنی خوبصورت بات لکھی ہے کہ کلام باری کا یہ حصہ دنیوی زندگی کو اس طرح پیش کرتا ہے جس طرح لمبے اور طویل راستے پر ایک روشنی سی چمکی ہو جو اپنا آپ دکھا کر غائب ہوگئی ہو اور چلنے والا حیرانگی کی طویل راہوں میں سرگرداں ہو۔

اللہ تعالیٰ اپنے حبیب ﷺ سے وفا کا رشتہ مضبوط فرمائے اور تکاثر دنیا کے مصنوعی ماحول سے نکال کر ہدایت نبوی کی وحدت نصیب فرمائے اور آخرت کی منزلیں آسان سے آسان تر بنا دے

قبول ہو جو لکھوایا آمین یارب

✿ ✿ ✿

درس حدیث

سچ وسیلہ نجات اور جھوٹ باعث ہلاکت ہے

مفتی محمد صدیق ہزاروی

عن عبدالله (بن مسعود) رضی الله عنه قال قال رسول الله ﷺ علیکم بالصدق فان الصدق یهدی الی البر و ان البر یهدی الی الجنة و ما یزال الرجل یصدق ویتحری الصدق حتیٰ یکتب عندالله صدیقا و ایاکم و الکذب فان الکذب یهدی الی الفجور و ان الفجور یهدی الی النار و ما یزال الرجل یکذب ویتحری الکذب حتیٰ یکتب عند الله کذابا (صحیح مسلم کتاب البر والصلۃ والادب، باب قبح الکذب حسن الصدق وفضیلۃ حدیث: ۶۵۱۵)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما سے مروی ہے فرماتے ہیں رسول اکرم ﷺ نے فرمایا تم پر سچ لازم ہے بے شک سچ نیکی کی راہ دکھاتی ہے اور نیکی جنت تک پہنچاتی ہے اور آدمی مسلسل سچ بولتا اور سچ کے لئے کوشش کرتا رہتا ہے حتیٰ کہ وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں صدیق لکھا جاتا ہے اور (فرمایا) جھوٹ سے بچو بے شک جھوٹ گناہ کی طرف لے جاتا ہے اور گناہ جہنم کی راہ پر ڈالتا ہے اور آدمی مسلسل جھوٹ بولتا رہتا ہے حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں وہ کذاب لکھ دیا جاتا ہے۔

اس حدیث کے راوی حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما قدیم الاسلام صحابی ہیں۔ اسلام قبول کرنے والوں میں ان کا چھٹا نمبر ہے۔ رسول اکرم ﷺ کے خاص اور آپ کے بھیدوں کے امین تھے۔ سفر کے دوران رسول اکرم ﷺ کی مسواک، نعلین مبارک اور وضو کے پانی کا برتن اٹھانے کی سعادت آپ کے حصے میں آئی۔ آپ نے حبشہ کی طرف ہجرت کی، بدر اور دیگر غزوات میں شرکت فرمائی۔ رسول اکرم ﷺ نے آپ کے جنتی ہونے کی شہادت دی۔ سیرت و کردار میں رسول اکرم ﷺ کے مشابہ تھے اور ان کے بارے میں رسول اکرم ﷺ نے فرمایا "رضیت لامتی ما رضی لها ابن ام عبد و سخطت لها ما سخط لها ابن ام عبد" میں نے اپنی اُمت کے لئے اسی چیز کو پسند کیا جس کو ابن ام عبد (حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما) نے ان کے لئے پسند کیا اور جس چیز کو میری اُمت کے لئے حضرت ابن مسعود ﷺ نے پسند نہ کیا مجھے بھی اُمت کے لئے وہ چیز پسند نہیں ہے۔

حضرت عمر فاروق ﷺ کے دور خلافت اور حضرت عثمان غنی ﷺ کی خلافت کے ابتدائی دور میں کوفہ کے قاضی اور بیت المال کے نگران رہے، پھر مدینہ طیبہ چلے گئے اور ۳۲ھ میں آپ کا وصال ہوا اور آپ جنت البقیع میں محو راحت ہوئے۔ (الکمال فی اسماء الرجال شیخ ولی الدین ابی عبداللہ محمد بن عبداللہ الخطیب، مشکوٰۃ شریف، ص: ۶۰۵)

حضرت مولا علی ﷺ فرماتے ہیں حضرت ابن مسعود ﷺ کا وصال ہوا تو میں حضرت ابو موسیٰ ﷺ اور حضرت ابو مسعود ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا ان میں سے ایک نے دوسرے سے پوچھا کیا تمہارے خیال میں حضرت ابن مسعود ﷺ کے بعد کوئی شخص ان جیسا ہے دوسرے نے کہا تم یہ بات پوچھتے ہو انہیں اس وقت بھی اجازت ہوتی تھی جب ہم سے پردہ ہوتا تھا اور وہ اس وقت بھی (بارگاہ نبوی میں) شرف باریابی حاصل کرتے جب ہم غائب ہوتے تھے۔ (صحیح مسلم، کتاب الفضائل، حدیث ۶۳۰۴)

اس حدیث میں سچ بولنے کی ترغیب اور جھوٹ سے بچنے کا حکم دیا گیا اور اس بات کو یقینی بنانے کے لئے سچ کی فضیلت اور اس کا اجر عظیم بھی بیان فرمایا اور جھوٹ کی خرابی اور اس کی شدید ترین سزا (بصورت عذاب جہنم) کا ذکر بھی فرمایا "علیکم" میں لفظ "علی" لازم کرنے کا معنیٰ دیتا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ سچ بولنا لازم ہے اور اس سے روگردانی گناہ ہے۔

"صدق" ایسے قول کو کہتے ہیں جو واقعہ کے مطابق ہو اور کذب وہ قول جو واقعہ کے خلاف ہو مثلاً کوئی شخص کہتا ہے "زید آیا" اگر واقعی زید آیا ہے تو اس کا یہ قول صدق ہوگا اور اگر زید نہیں آیا تو اس کا یہ قول کذب ہوگا کیونکہ یہ واقعہ کے خلاف ہے۔

فن بلاغت کی معروف کتاب مختصر المعانی (ص: ۳۹) میں ہے "صدق الخبر مطابقة ای مطابقه حکمه للواقع و کذبه عدمها" خبر کی سچائی یہ ہے کہ اس کا حکم واقع کے مطابق ہو اور اگر واقع کے مطابق نہ ہو تو کذب ہے۔ زید کو عالم کہا اگر واقعی زید عالم ہے تو صدق ہے اور اس میں علم کی خوبی نہیں تو یہ کذب (جھوٹ) ہے۔

اہمیت صدق کے بارے میں یوں کہا گیا ہے "هو من الصفات الحمیده فی الانسان بل انه من افضل الصفات الانسانیة علی الاطلاق ذلک ان من یتحلی با لصدق فی القول و فی العمل هو لبنة صالحة فی بناعه المجتمع الانسانی لان الصدق من اهم الدعائم التی تستقیم بها حیاة الفرد و تصلح بها العلاقات الاجتماعیة و تقوی بها الروابط بین الناس فی المجتمع و لهذا حث الاسلام علیه و وعد الصادقین جنات النعیم فقد ورد مدح الصادقین فی القرآن الکریم اکثر من خمسین مرة منها قوله تعالیٰ "لیجزی الله الصادقین بصدقهم (سورہ احزاب آیت: ۲۴)

یہ (صدق) قابل تعریف انسانی صفات میں سے (ایک صفت) ہے بلکہ یہ تمام انسانی صفات سے مطلقاً افضل ہے کیونکہ جو شخص قول اور

عمل میں صدق کے زیور سے مرصع ہوتا ہے وہ انسانی اجتماع کی عمارت کے لئے ایک صالح اینٹ کا کام دیتا ہے کیونکہ جن ستونوں پر شخصی زندگی قائم ہوتی ہے ان میں یہ اہم ستون ہے اور اسی کے ذریعے معاشرتی روابط درست ہوتے ہیں اور معاشرے میں انسانوں کی باہمی تعلقات مضبوط ہوتے ہیں۔ اسی لئے اسلام نے اس کی ترغیب دی اور سچے لوگوں سے نعمتوں کے باغات کا وعدہ کیا قرآن مجید میں پچاس سے زیادہ مرتبہ سچے لوگوں کی تعریف بیان ہوئی ہے ان میں اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے (ترجمہ) ''تا کہ اللہ تعالیٰ سچے لوگوں کو ان کے سچ کا بدلہ دے'' (الموسوعۃ الاسلامیۃ العامۃ لمجلس الاعلیٰ للشئون الاسلامیہ وزارت اوقاف قاہرہ مصر، ص: ۸۶)

کذب، صدق کی نقیض یعنی اس کا مقابل ہے لہٰذا جس طرح معاشرتی زندگی کے لئے صدق ضروری ہے اسی طرح کذب (جھوٹ) معاشرتی زندگی کے لئے ایک ناسور اور سم قاتل کی حیثیت رکھتا ہے اس طرح معاشرتی زندگی میں نکھار پیدا کرنے اور شخصی زندگی کو صالح بنانے کے لئے صدق کے دامن سے وابستگی اور کذب سے نفرت ضروری ہے۔

لفظ ''یھدی'' ہدایت سے بنا ہے جس کا لغوی معنی راستہ دکھانا ہے۔ اگر چہ اصطلاحی طور پر ہدایت سیدھا راستہ دکھانے کو کہتے ہیں۔

امام بیضاوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''والھدیۃ دلالۃ بلطف ولذلک تستعمل فی الخیر'' (تفسیر بیضاوی، تفسیر اھد نا الصراط المستقیم) ہدایت لطف و مہربانی کے ساتھ راہنمائی کو کہتے ہیں اسی لئے یہ بھلائی کے لئے استعمال ہوتی ہے لیکن اس حدیث میں یہ مطلقاً راستہ دکھانے کے معنیٰ میں مستعمل ہے کیونکہ جس طرح صدق اور برّ (نیکی) کے ساتھ یھدی کا لفظ استعمال ہوا ہے اسی طرح کذب اور فجور (گناہ) کے ساتھ بھی یہ لفظ استعمال ہوا ہے۔ ''البر'' نیکی کو کہتے ہیں اور ''فجور'' گناہ اور نافرمانی کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ ''ایاکم'' بچنے کے لئے بولا جاتا ہے ''ایاک والاسد'' اپنے آپ کو شیر سے بچاؤ۔ اسی طرح ''ایاکم والکذب'' کا معنیٰ یہ ہے کہ اپنے آپ کو جھوٹ سے بچاؤ۔ حدیث شریف میں صدق (سچ) کا فائدہ یوں بتایا گیا کہ یہ نیکی کا راستہ دکھاتا ہے اور نیکی جنت کی طرف لے جاتی ہے۔

اس کی تفصیل یوں ہے کہ جب آدمی سچ بولنے کا عادی ہو جائے تو وہ اس وجہ سے بھی گناہ کے قریب نہیں جاتا کہ اگر مجھ سے اس کے بارے میں پوچھا گیا تو میری گرفت ہوگی کیونکہ سچ بولنے کی وجہ سے وہ انکار بھی نہیں کر سکتا لہٰذا وہ اس بنیاد پر گناہوں سے دور رہتا اور نیکی کرتا ہے۔ جب کہ جھوٹ بولنے والا سوچتا ہے کہ اگر میں نیکی نہ کروں اور گناہ کا ارتکاب کروں تو مجھے کوئی ڈر نہیں کیونکہ میں جھوٹ بول کر اپنے آپ کو بچا لوں گا اور یوں وہ گناہ پر گناہ کرتا چلا جاتا ہے کیونکہ اسے باز پرس اور احتساب کا کوئی ڈر نہیں ہوتا۔

رسول اکرم ﷺ نے حکمت بھرے انداز میں واضح کیا کہ آج جھوٹ بول کر کوئی شخص اپنے آپ کو سزا سے بچا سکتا ہے کیونکہ وہ جو دلوں کے بھیدوں کا بھی علم رکھتا ہے اس سے کوئی بات چھپائی نہیں جا سکتی لہٰذا ایسا شخص قیامت کے دن عذاب جہنم سے نہیں بچ سکے گا۔ لہٰذا اس کی فکر کرتے ہوئے جھوٹ سے اجتناب کرنا چاہیئے۔

انسان کو نیکی کی طرف مائل ہونے اور برائی سے اجتناب کے لئے یا تو فطری راہنمائی فائدہ دیتی ہے یا وہ حرص اور خوف کی بنیاد پر اس راہ پر گامزن ہوتا ہے یہاں جنت میں داخلہ کے لئے صدق اور جہنم میں جانے کا سبب کذب کو قرار دے کر اسی انداز کو اختیار کیا گیا۔

صدق کے بارے میں قرآن وسنت اور صوفیاء کرام کے اقوال میں تفصیلی گفتگو کی گئی اور ایسے سچے واقعات بیان کئے گئے جو اُمت مسلمہ کی راہنمائی کے لئے کافی ہیں۔

حضرت غوث اعظم السید عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کا وہ واقعہ زبان زد خاص و عام ہے کہ آپ جب حصول علم کے لئے بغداد کی جانب عازم سفر ہوئے اور آپ کی والدہ نے آپ کو ہمیشہ سچ بولنے کی تلقین کی اور جب آپ نے اپنی والدہ کی نصیحت پر عمل کرتے ہوئے ڈاکوؤں کو بتایا کہ میری صدری میں پچاس دینار سلے ہوئے ہیں۔ آپ کی حق گوئی سے متاثر ہو کر ان ڈاکوؤں نے توبہ کر لی اور نیکوکار بن گئے۔

گویا سچائی نہ صرف یہ کہ سچ بولنے والے کی زندگی میں انقلاب بپا کرتی ہے، معاشرے کے دوسرے افراد بھی اس سے متاثر ہوتے ہیں۔

اس واقعہ میں رسول اکرم ﷺ کے ارشاد گرامی کی جھلک کس حسن وخوبی کے ساتھ نظر آتی ہے کہ صدق، نیکی کی راہ دکھاتا ہے چنانچہ حضرت غوث اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے صدق نے ڈاکوؤں کے لئے نیکی کا راستہ کھول دیا۔

سچ بولنے والا شخص اگر وقتی طور پر کسی مشکل کا شکار بھی ہو لیکن سچ کی برکت سے وہ انعامات الٰہیہ کا مستحق قرار پاتا ہے۔

حضرت ابو عمرو الزجاجی رحمۃ اللہ کے بارے میں منقول ہے کہ وہ فرماتے ہیں میری ماں کا انتقال ہو گیا تو مجھے ان سے بطور وراثت ایک مکان ملا۔ میں نے اسے پچاس درہم میں فروخت کیا اور حج کے لئے چلا گیا جب میں بابل (شہر) میں پہنچا تو مجھے ایک راستہ دکھانے والا ملا

اس نے پوچھا تمھارے پاس کیا ہے؟ میں نے دل میں کہا ''سچ میں بھلائی ہے'' پھر میں نے کہا پچاس درہم ہیں۔ اس نے کہا مجھے پکڑاؤ۔ میں نے تھیلی اسے دے دی اس نے گنتی کی تو وہ پچاس درہم تھے اس نے کہا لیجئے میں تو آپ کے سچ کی زلفوں کا اسیر ہوگیا ہوں پھر وہ سواری سے اُترا اور کہا اس پر سوار ہو جائیں۔ میں نے کہا میں نے اس کا ارادہ نہیں کیا اس نے کہا یہ تو ضروری ہے اور اس نے اصرار کیا پس میں سوار ہو گیا اس نے کہا میں آپ کے پیچھے پیچھے آرہا ہوں پھر جب دوسرا سال ہوا تو وہ مجھ سے آملا اور مرتے دم تک میرے ساتھ رہا۔ (الرسالۃ القشیر یہ، ص ۲۴۷، باب الصدق)

اس واقعہ سے بخوبی اندازہ ہوتا ہے کہ سچ بولنے والا شخص محرومی کی بجائے عزت، شرف اور رفعت ایسے اعزازات کا مستحق قرار پاتا ہے۔ جب کہ جھوٹ ذلت، رسوائی اور اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی ناراضگی کا باعث ہے۔

حضرت یوسف بن اسباط رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

اگر میں ایک رات اس طرح گزاروں کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ میرا معاملہ صدق پر مبنی ہو مجھے یہ بات اللہ تعالیٰ کی راہ میں تلوار چلانے سے زیادہ پسند ہے۔ (ایضاً، ص: ۲۴۸)

حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

صدق کی حقیقت یہ ہے کہ تم اس جگہ بھی جھوٹ نہ بولو جہاں تمہیں جھوٹ بولنے سے نجات ملتی ہو۔ (ایضا: ۲۴۷)

یعنی جس مقام پر سچ بولنے سے نقصان اور جھوٹ بولنے سے فائدہ حاصل ہوتا ہو وہاں سچ بولنا ہی حقیقی صدق ہے اور سچ بولتے وقت یہ نہ دیکھا جائے کہ اس کا فائدہ ہوگا یا نقصان بلکہ یہ سوچنا چاہیئے کہ میں نے ہر حال میں سچ بولنا ہے۔ کسی بزرگ نے کہا، جہاں تمہیں یہ ڈر ہو کہ سچ تمہیں نقصان دے گا وہاں بھی تم پر سچ بولنا لازم ہے کیونکہ وہ نفع ہی دیتا ہے اور جہاں تمہارے خیال میں جھوٹ نفع بخش ہو وہاں بھی جھوٹ کو چھوڑ دو کیونکہ وہ بہر حال نقصان دہ ہے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں ہمیشہ سچ بولنے اور ''وکونو مع الصادقین'' ایسے ارشاد خداوندی پر عمل کرتے ہوئے سچے لوگوں کا ساتھی بننے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

✿ ✿ ✿

آئینہ قیامت

علامہ مولانا حسن رضا خان برکاتی رحمۃ اللہ علیہ

الحمد اللہ رب العالمین والصلوۃ والسلام علی سیدنا ومولانا محمد والہ واصحابہ اجمعین

حبیب خدا ﷺ کی بارگاہ میں فضلِ شہادت کی حاضری:

ہمارے حضور پرنور، سرورِ عالم ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے تمام کمالات وصفات کا مجمع خلق فرمایا۔ حضور ﷺ کے سے اوصاف حمیدہ خصائل پسندیدہ، کسی ملک، کسی بشر، کسی رسول، کسی پیغمبر میں ممکن نہیں۔ بنظرِ ظاہر، صرف فضلِ شہادت، اس بارگاہ عرش اشتباہ کی حاضری سے محروم رہا۔ اس کی نسبت علمائے کرام کا خیال ہے اور کتنا نفیس خیال ہے کہ جنگِ احد شریف میں اس روح مصور، جانِ مجسم ﷺ کا دندان مبارک شہید ہونا، سب شہیدوں کی شہادت سے افضل ہے اور جس وقت حضور پرنور ﷺ کا تعلق خاطر شہزادوں کے خیال میں آتا ہے تو اس امر کے اظہار میں کچھ بھی تامل نہیں رہتا کہ ان حضرات کی شہادت، حضور ہی کی شہادت ہے اور انہوں نے نیابۃً اس شرف کو سربزی وسرخروئی عطا فرمائی۔

فضائل امام حسن وحسین رضی اللہ عنھما:

ایک بار حضرت امام حسن ؓ حاضرِ خدمتِ اقدس ہو کر حضور پرنور ﷺ کے شانہ مبارک پر سوار ہوگئے، ایک صاحب نے عرض کیا ''صاحبزادے آپ کی سواری کیسی اچھی ہے'' حضور نے فرمایا ''اور سوار کیسا اچھا سوار ہے'' (مشکوۃ المصابیح باب مناقب اہل النبی ﷺ وؓ)

(ایک مرتبہ) حضور پرنور ﷺ سجدے میں تھے کہ امامِ حسن ؓ پشت مبارک سے لپٹ گئے، حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے سجدے کو طول دیا کہ کہیں سر اٹھانے سے گر نہ جائیں (تاریخ الخلفاء)

امامِ حسن اور امامِ حسین ؓ کی نسبت ارشاد ہوتا ہے کہ ''ہمارے یہ دو بیٹے، جوانانِ جنت کے سردار ہیں'' (مشکوۃ المصابیح باب مناقب اہل النبی ﷺ وؓ)

اور فرمایا جاتا ہے ''ان کا دوست ہمارا دوست اور ان کا دشمن ہمارا دشمن ہے'' (سنن ابن ماجہ باب فضائل الحسن والحسین)

اور فرماتے ہیں ﷺ ''حسین مجھ سے ہے اور میں حسین سے ہوں، اللہ دوست رکھے اسے جو حسین کو دوست رکھے، حسین سبط ہے اسباط سے'' (مشکوۃ المصابیح باب مناقب اہل النبی ﷺ وؓ)

ایک روز حضور پرنور ﷺ کے داہنے زانو پر امامِ حسین ؓ اور بائیں پر حضور کے صاحبزادے حضرت ابراہیم ؓ بیٹھے تھے، حضرت جبریل نے حاضر ہو کر عرض کی کہ ''ان دونوں کو خدا تعالیٰ حضور کے پاس نہ رکھے گا، ایک کو اختیار فرما لیجیے'' حضور نے امامِ حسین ؓ کی جدائی گوارہ نہ فرمائی، تین دن کے بعد حضرت ابراہیم ؓ کا انتقال ہوگیا۔ اس واقعہ کے بعد امامِ حسین ؓ جب حاضر ہوتے، آپ بوسے لیتے اور فرماتے ''مرحبا بمن فدیته بابنی'' ''ایسے کو مرحبا جس پر میں نے اپنا بیٹا قربان کیا''۔

اور فرماتے ہیں ﷺ ''یہ دونوں میرے بیٹے اور میری بیٹی کے بیٹے ہیں، الٰہی! میں ان کو دوست رکھتا ہوں تو بھی ان کو دوست رکھ اور اسے دوست رکھ جو انہیں دوست رکھے'' (مشکوۃ المصابیح باب مناقب اہل النبی ﷺ وؓ)

بتول زہرا (رضی اللہ عنھا) سے فرماتے ''میرے دونوں بیٹوں کو لاؤ پھر دونوں کو سونگھتے اور سینہ انور سے لگا لیتے''۔ (مشکوۃ المصابیح باب مناقب اہل النبی ﷺ وؓ)

محبوبانِ بارگاہ الٰہی اور قانونِ قدرت:

جب حضور پرنور ﷺ کے یہ ارشاد اور شہزادوں کی ایسی پاسداریاں، نازبرداریاں یاد آتی ہیں اور واقعات شہادت پر نظر جاتی ہے تو حسرت بھری آنکھوں سے آنسو نہیں لہو کی بوندیں ٹپکتی ہیں اور خدا کی بے نیازی کا عالم آنکھوں کے سامنے چھا جاتا ہے، یہ مقدس صورتیں خدا کی دوست ہیں اور جل جلالہ کی عادت کریمہ ہے کہ دنیاوی زندگی میں اپنے دوستوں کو بلاؤں میں گھیرے رکھتا ہے۔

ایک صاحب نے عرض کیا کہ ''میں حضور ﷺ سے محبت رکھتا ہوں'' فرمایا ''فقر کے لئے مستعد ہو جا'' عرض کیا ''اللہ تعالیٰ کو دوست رکھتا ہوں'' ارشاد ہوا ''بلا کے لئے آمادہ ہو جا'' اور فرماتے ہیں ''سخت ترین بلا انبیاء علیہم الصلوۃ والثناء پر ہے، پھر جو بہتر ہیں پھر جو بہتر ہیں''

نزدیکاں را بیش بود حیرانی

جن کے رتبے ہیں سوا ان کو سوا مشکل ہے۔

سرکار اور خاندانِ سرکار ﷺ کا فقر اختیاری:

ہمارے حضور انور ﷺ کو خدا تعالیٰ نے اشرف ترین مخلوق بنایا اور محبوبیت خاص کا خلعت فاخرہ عطا فرمایا۔ اسی وجہ سے دنیا کی جو بلائیں آپ نے اٹھائیں اور جو مصیبتیں آپ نے برداشت کیں کسی میں ان کا تحمل ممکن نہیں۔ اللہ اللہ محبوبیت کی وہ ادائیں کہ فرمایا جاتا ہے،

لولاک لما خلقت الدنیا

اے محبوب ! میں اگر تم کو پیدا نہ کرتا تو دنیا ہی کو نہ بناتا

علوِ مرتبت کی وہ کیفیتیں کہ اپنے خزانے کی کنجیاں دے کر مختار کل بنادیا جو چاہو کرو، سیاہ و سپید کا تمھیں اختیار ہے۔

ایسے بادشاہ جن کے مقدس سر پر دونوں عالم کی حکومت کا چمکتا ہوا تاج رکھا گیا، ایسے رفعت پناہ جن کے مبارک پاؤں کے نیچے تختِ الٰہی بچھایا گیا، شاہی لنگر کے فقیر، سلاطین عالم، سلطانی باڑے محتاج شاہانِ عالم دنیا کی نعمتیں بانٹنے والے، زمانے کی دولتیں دینے والے، بھکاریوں کی جھولیاں بھریں، منہ مانگی مرادیں پوری کریں۔ اب کاشانہ اقدس اور دولت سرائے مقدس کی طرف نگاہ جاتی ہے تو اللہ تعالیٰ کی شان نظر آتی ہے۔ ایسے جلیل القدر بادشاہ جن کی قاہر حکومت، مشرق و مغرب کو گھیر چکی اور جن کا ڈنکا ہفت آسمان وتمام روئے زمین میں بج رہا ہے، ان کے برگزیدہ گھر میں آسائش کی کوئی چیز نہیں، آرام کے اسباب تو درکنار خشک روٹی کھجوریں اور جو کے بے چھنے آٹے کی روٹی بھی تمام عمر پیٹ بھر کر نہ کھائی۔

کل جہاں ملک اور جو کی روٹی غذا

اس شکم کی قناعت پہ لاکھوں سلام

(حدائقِ بخشش)

شاہی لباس دیکھئے تو سترہ سترہ پیوند لگے ہیں، وہ بھی ایک کپڑے کے نہیں۔ دو، دو مہینے سلطانی باورچی خانے سے دھواں بلند نہیں ہوتا۔ دنیوی عیش کی تو یہ کیفیت ہے، دینی وجاہت دیکھئے تو عمامے والے تاجدار کی شوکت اور اس سادگی پسندی کی وجاہت سے دونوں عالم گونج رہے ہیں۔

مالک کونین ہیں گو پاس کچھ رکھتے نہیں

دو جہاں کی نعمتیں ہیں ان کے خالی ہاتھ میں

(حدائقِ بخشش)

یہاں یہ امر بھی بیان کردینے کے قابل ہے کہ یہ تکلیفیں، یہ مصیبتیں محض اپنی خوشی سے اٹھائی گئیں، اس میں مجبوری کو ہرگز دخل نہیں تھا۔

ایک بار آپ کے بہی خواہ اور رضا جو دوست جل جلالہ نے پیغام بھیجا کہ ''تم کہو تو مکہ کے دو پہاڑوں کو (جنھیں اخشبین کہتے ہیں) سونے کا بنادوں کہ وہ تمہارے ساتھ ساتھ رہیں۔'' عرض کی ''یہ چاہتا ہوں کہ ایک دن دے کہ شکر بجالاؤں، ایک دن بھوکا رکھ کہ صبر کروں۔''

مسلمانو ! اللہ تعالیٰ نے ہمارے حضور علیہ السلام کو نفسِ مطمئنہ عطا فرمایا ہے۔ اگر آپ عیش وعشرت میں بسر فرماتے اور آسائش و راحت محبوب رکھتے، تو آپ کا پروردگار آپ کی خوشی پر خوش ہونے والا دنیا میں جنتوں کو اتار کر رکھ دیتا اور یہ سامانِ عیش آپ کے برگزیدہ اور پاکیزہ نفس میں ہرگز تغیر پیدا نہ کرسکتا، ایسی حالت میں یہ بلا پسندی اور مصیبت دوستی اس بنیاد پر ہوسکتی ہے کہ آپ رحمۃ اللعالمین ٹھہرے، دنیا کی ہر چیز کے حق میں رحمت ہوکر آئے، اگر آپ عیش وعشرت میں مشغول رہے ہوتے تو ''تکلیف ومصیبت'' (کہ) جن سے عاقبت میں حضور علیہ السلام کے غلاموں کو بھی سروکار نہ ہوگا، برکات سے محروم رہ جاتیں۔

ایک بار حضور ﷺ مسلمانوں کو کنیزیں اور غلام تقسیم فرمارہے تھے، مولیٰ علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ نے حضرت بتول زہرا رضی اللہ عنہا سے کہا ''جاؤ! تم بھی اپنے لئے کوئی کنیز لے آؤ'' حاضر ہوئیں اور ہاتھ دکھا کر عرض کرنے لگیں کہ ''چکی پیتے پیتے ہاتھوں میں چھالے پڑ گئے ہیں ایک کنیز مجھے بھی عنایت ہو'' ارشاد ہوا ''اے فاطمہ ! میں تجھے ایسی چیز بتاتا ہوں جو کنیز وغلام سے زیادہ کام دے، تو رات کو سوتے وقت سبحان اللہ 33 بار، الحمدللہ 33 بار، اللہ اکبر 34 بار پڑھ کر سو رہا کر'' (مشکوٰۃ المصابیح)

ایک بار حضور پرنور ﷺ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے کاشانہ اقدس میں تشریف لے گئے، دروازہ تک رونق افروز ہوئے تھے کہ حضرت فاطمہ کے ہاتھوں میں چاندی کی ایک ایک چوڑی ملاحظہ فرمائی، واپس تشریف لے آئے، حضرت بتول رضی اللہ عنہا نے وہ چوڑیاں حاضر کر دیں کہ انہیں تصدق کردیجئے، مساکین کو عطا فرمادی گئیں اور دو چوڑیاں عاج یعنی ہاتھی دانت کی مرحمت فرمائیں اور ارشاد ہوا ''فاطمہ ! دنیا، محمد اور آلِ محمد کے لائق نہیں''

صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیہم وسلم

حضرت عمر فاروق ﷺ حاضر ہوئے، دیکھا کہ کھجور کی چٹائی پر آپ ﷺ آرام فرمارہے ہیں اور اس نازک جسم اور نازنین بدن پر بوریے کے نشان بن رہے ہیں، یہ حالت دیکھ کر بے اختیار رونے لگے اور عرض کی کہ ''یارسول اللہ ﷺ قیصر وکسریٰ خدا کے دشمن، نازونعمت میں بسر

کریں اور خدا کا محبوب، تکلیف و مصیبت میں؟'' ارشاد ہوا'' کیا تو اس امر پر راضی نہیں کہ انہیں دنیا کے عیش ملیں اور تو عقبیٰ کی خوبیوں سے بہرہ ور ہو؟ (مشکوۃ المصابیح)

اللہ عزوجل کے حقیقی دوست:

حضرتِ سری سقطی سے بذریعہ الہام فرمایا گیا'' اے سری! میں نے مخلوق پیدا فرما کر اس سے پوچھا'' کیا تم مجھ کو دوست رکھتے ہو؟ سب نے بالاتفاق عرض کی کہ'' تیرے سوا اور کون ہے جسے ہم دوست رکھیں گے؟'' پھر میں نے دنیا بنائی، نو حصے اس کی طرف ہو گئے، ایک حصہ نے کہا'' ہم اس کی خاطر تجھ سے جدائی نہ کریں گے'' پھر آخرت خلق فرمائی، اس ایک حصہ سے نو حصے اس کے خریدار ہو گئے باقیوں نے عرض کی، ہم دنیا کے سائل نہ آخرت پر مائل، ہم تو تیرے چاہنے والے ہیں'' پھر بلائیں پیش کیں ان میں سے بھی نو حصے گھبرا کر الگ ہو گئے، ایک حصہ نے عرض کی'' تو زمین اور آسمان کے چودہ طبق کو بلا کا طوق بنا کر ہمارے گلے میں ڈال دے، مگر ہم تیری طرف سے منہ پھیرنے والے نہیں''۔
ان کی نسبت ارشاد ہوا:

'' اولئک اولیائی حقا۔ یہ میرے سچے دوست ہیں۔''

'' اب اہل بیت کی بلا پسندی حیرت کی آنکھوں سے دیکھنے کے قابل ہے''۔

حضرت ابوذر ﷜ سے بلا اور نعمت کے بارے میں سوال ہوا، فرمایا ہمارے نزدیک دونوں برابر ہیں یعنی

آنچه از دوست می رسد نیکو ست

امامِ حسن ﷜ کو خبر ہوئی، ارشاد ہوا'' اللہ تعالیٰ ابوذر ﷜ پر رحم کرے مگر ہم اہل بیت کے نزدیک بلا، نعمت سے افضل ہے کہ نعمت میں نفس کا بھی حظ (یعنی حصہ) ہے اور بلا محض رضائے دوست ہے۔''

اللهم صل علی سیدنا و مولانا محمد وعلی اله واصحبه اجمعین

یزید پلید کی تخت نشینی اور قیامت کے سامان:

ہجرت کا ساٹھواں سال اور رجب کا مہینہ کچھ ایسا دل دکھانے والا اپنے ساتھ لایا، جس کا نظارہ اسلامی دنیا کی آنکھوں کو ناچار اس کی طرف کھینچتا ہے، جہاں کلیجہ نوچنے والی آفتوں، بے چین کر دینے والی تکلیفوں نے دینداروں کو بے قرار کرنے اور خدا پرست طبیعتوں کو بے تاب کرنے کے لئے حسرت و بے کسی کا سامان جمع کیا ہے۔ یزید پلید کا تختِ سلطنت کو اپنے ناپاک قدم سے گندہ کرنا، ان ناقابلِ برداشت مصیبتوں کی تمہید ہے جن کو بیان کرتے ہوئے کلیجہ منہ کو آتا اور دل ایک غیر معمولی بے قراری کے ساتھ پہلو میں پھڑک جاتا ہے۔ اس مردود نے اپنی حکومت کی مضبوطی، اپنی ذلیل عزت کی ترقی، اس امر پر منحصر سمجھی کہ اہل بیت کرام کے مقدس و بے گناہ خون سے اپنی ناپاک تلوار رنگے۔ اس جہنمی کی نیت بدلتے ہی زمانے کی ہوا نے پلٹے کھائے اور زہریلے جھونکے آئے کہ جاودانِ بہاروں کے پاک گریبان وبے خزاں پھولوں، تو شگفتہ گلوں کے غم میں چاک ہوئے، مصطفیٰ ﷺ کی ہری بھری لہلہاتی پھلواری کے سہانے نازک پھول مرجھا مرجھا کر طرازِ دامنِ خاک ہوئے۔

امام حسن ﷜ کی شہادت اور بھائی کو نصیحت:

جب کسی بدبخت نے امامِ حسن ﷜ کو زہر دینے کی سنگین جرأت کا ارتکاب کیا تو اس بے چین کر دینے والی خبر کو سن کر حضرت امامِ حسین ﷜ اپنے پیارے بھائی کے پاس حاضر ہوئے۔ سرہانے بیٹھ کر گزارش کی'' حضرت کو کس نے زہر دیا؟'' فرمایا'' اگر وہ ہے جو میرے خیال میں ہے تو اللہ بڑا بدلہ لینے والا ہے، اگر نہیں، تو میں بے گناہ سے عوض نہیں چاہتا۔''

ایک روایت میں ہے فرمایا'' بھائی لوگ ہم سے یہ اُمید رکھتے ہیں کہ روزِ قیامت ہم ان کی شفاعت فرما کر کام آئیں نہ یہ کہ ان کے ساتھ غضب اور انتقام کو کام میں لائیں''

واہ کیا حلم ہے اپنا تو جگر ٹکڑے ہوا
پھر بھی ایذائے ستم گر کے روا دار نہیں

پھر جانے والے امام نے آنے والے امام کو یوں وصیت فرمائی۔'' حسین دیکھو سفیہان کوفہ سے ڈرتے رہنا، مبادا وہ تمہیں باتوں میں لے کر بلائیں اور وقت پر چھوڑ دیں، پھر پچھتاؤ گے اور بچاؤ کا وقت گزر جائے گا۔''

بے شک امام عالی مقام کی یہ وصیت موتیوں میں تولنے کے قابل اور دل پر رکھ لینے کے لائق تھی، مگر اس ہونے والے واقعے کو کون روک سکتا (تھا)؟ جسے قدرت نے مدتوں پہلے مشہور کر رکھا تھا۔

امام حسین کی شہادت کی خبر واقعہ کربلا سے پہلے ہی مشہور تھی:

حضور سرورِ عالم ﷺ کی بعثت شریف سے تین سو برس پیشتر یہ شعر ایک پتھر پر لکھا ہوا ملا:

اترجو امۃ قتلت حسینا

شفاعۃ جدہ یوم الحساب

کیا حسین ؓ کے قاتل یہ بھی امید رکھتے ہیں کہ روزِ قیامت اس کے نانا جان ﷺ کی شفاعت پائیں گے؟

یہی شعر ارضِ روم کے گرجا گھر میں لکھا پایا گیا اور لکھنے والا معلوم نہ ہوا۔ کئی حدیثوں میں ہے، حضور سرورِ عالم ﷺ ام المومنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے کاشانہ میں تشریف فرما تھے، ایک فرشتہ کہ پہلے کبھی حاضر خدمت نہ ہوا تھا، اللہ تبارک وتعالیٰ سے حاضری کی اجازت لے کر آستان بوس ہوا، حضور پرنور ﷺ نے ام المومنین سے ارشاد فرمایا، دروازے کی نگہبانی رکھو، کوئی آنے نہ پائے، اتنے میں سیدنا امام حسین ؓ دروازہ کھول کر حاضر خدمت ہوئے اور کود کر حضور پرنور ﷺ کی گود میں جا بیٹھے، حضور پیار فرمانے لگے، فرشتے نے عرض کی ''حضور انہیں چاہتے ہیں؟'' فرمایا ''ہاں!'' عرض کی ''وہ وقت قریب آتا ہے کہ حضور کی اُمت انہیں شہید کرے گی اور حضور چاہیں تو میں وہ زمین حضور کو دکھادوں، جہاں یہ شہید کئے جائیں گے۔'' پھر سرخ مٹی اور ایک روایت میں ہے ریت، ایک میں ہے کنکریاں، حاضر کیں حضور علیہ السلام نے سونگھ کر فرمایا ''ریح کرب وبلا'' بے چینی اور بلا کی بو آتی ہے، پھر ام المومنین کو وہ مٹی عطا ہوئی اور ارشاد ہوا ''جب یہ خون ہو جائے تو جاننا کہ حسین شہید ہوا، انہوں نے وہ مٹی ایک شیشی میں رکھ چھوڑی'' ام المومنین فرماتی ہیں، ''میں کہا کرتی جس دن یہ مٹی خون ہو جائے گی کیسی سختی کا دن ہوگا''۔

امیر المومنین مولیٰ علی کرم اللہ وجہہ صفین کو جاتے ہوئے زمینِ کربلا سے گزرے، نام پوچھا لوگوں نے کہا ''کربلا!'' یہاں تک روئے کہ زمین آنسوؤں سے تر ہو گئی، پھر فرمایا میں خدمتِ اقدس حضور سید عالم ﷺ میں حاضر ہوا، حضور کو روتا ہوا پایا، سبب پوچھا، فرمایا کہ ''ابھی جبریل کہہ کر گئے ہیں کہ میرا بیٹا حسین، فرات کے کنارے کربلا میں قتل کیا جائے گا، پھر جبریل نے وہاں کی مٹی مجھے سونگھائی مجھ سے ضبط نہ ہو سکا اور آنکھیں بہہ نکلیں''۔

ایک روایت میں ہے مولیٰ علی ؓ اس مقام سے گزرے جہاں اب امامِ مظلوم کی قبر مبارک ہے، فرمایا یہاں ان کی سواری بٹھائی جائے گی، یہاں ان کے کجاوے رکھے جائیں گے، اور یہاں ان کے خون گریں گے، آلِ محمد ﷺ کے کچھ نوجوان اس میدان میں قتل ہوں گے جن پر زمین وآسمان روئیں گے۔

اللھم صل علی سیدنا ومولانا محمد وعلی الہ واصحابہ اجمعین

یزید کا پیغام بیعت اور امام حسین ؓ کی مدینے سے روانگی:

جب امام حسن ؓ مرتبہ شہادت پا کر دنیا سے رخصت ہو گئے تو اب یزید پلید شقی کو امام حسین یاد آئے، مدینہ کے صوبہ دار ولید کو خط لکھا کہ ''حسین اور عبداللہ بن عمر اور عبداللہ بن زبیر ؓ سے بیعت کے لئے کہے اور مہلت نہ دے۔ ابن عمر ایک مسجد میں بیٹھنے والے آدمی ہیں اور ابن زبیر جب تک موقع نہ پائیں گے خاموش رہیں گے، ہاں حسین سے بیعت لینی سب سے زیادہ ضروری ہے کہ یہ شیر اور شیر کا بیٹا موقع کا انتظار نہ کرے گا''۔

صوبہ دار نے خط پڑھ کر پیامی بھیجا، امام نے فرمایا ''چلو آتے ہیں'' پھر عبداللہ ابن زبیر ؓ سے فرمایا ''دربار کا وقت نہیں ہے، بے وقت بلانے سے معلوم ہوتا ہے کہ سردار نے وفات پائی، ہمیں اس لئے بلایا جاتا ہے کہ موت کی خبر مشہور ہونے سے پہلے یزید کی بیعت ہم سے لی جائے'' ابن زبیر ؓ نے عرض کی ''میرا بھی یہی خیال ہے ایسی حالت میں آپ کی کیا رائے ہے؟ فرمایا ''میں اپنے جوان جمع کر کے جاتا ہوں، ساتھیوں کو دروازے پر بٹھا کر اس کے پاس چلا جاؤں گا'' ابن زبیر ؓ نے کہا ''مجھے اس کی جانب اندیشہ ہے۔'' فرمایا ''وہ میرا کچھ نہیں کر سکتا'' پھر اپنے اصحاب کے ساتھ تشریف لے گئے، ہمراہیوں کو ہدایت کی ''جب میں بلاؤں یا میری آواز بلند ہوتے سنو، اندر چلے آنا اور جب تک میں واپس نہ آؤں، تم نہ جانا'' یہ فرما کر اندر تشریف لے گئے، ولید کے پاس مروان کو بیٹھا پایا، سلام علیک کر کے تشریف رکھی، ولید نے خط پڑھ کر سنایا وہی مضمون پایا جو حضور کے خیال شریف میں آیا تھا۔ بیعت کا حال سن کر ارشاد ہوا ''مجھ جیسے چھپ کر بیعت نہیں کرتے، سب کو جمع کرو، بیعت لو، پھر ہم سے کہو'' ولید نے بنظرِ عافیت پسندی عرض کی، ''بہتر ہے تشریف لے جایئے۔'' مروان بولا ''اگر اس وقت انہیں چھوڑ دے گا اور بیعت نہ لے گا تو جب تک بہت سی جانوں کا خون نہ ہو جائے، ایسا وقت ہاتھ نہ آئے گا، ابھی روک لے، بیعت کر لیں تو خیر ورنہ گردن مار دے'' یہ سن کر امام نے فرمایا ''ابن الزرقا! تو یا وہ، کیا مجھے قتل کر سکتا ہے؟ خدا کی قسم، تو نے جھوٹ کہا اور پاجی پن کی

بات کی" یہ فرما کر واپس تشریف لے آئے۔

مروان نے ولید سے کہا" خدا کی قسم اب ایسا موقع نہ ملے گا۔" ولید بولا" مجھے پسند نہیں کہ بیعت نہ کرنے پر حسین کو قتل کر دوں، مجھے تمام جہاں کے ملک و مال کے بدلے بھی حسین کا قتل منظور نہیں، میرے نزدیک حسین کے خون کا جس شخص سے مطالبہ ہوگا وہ قیامت کے دن خدائے قہار کے سامنے ہلکی تول والا ہے۔" مروان نے منافقانہ طور پر کہہ دیا" تو نے ٹھیک کہا"

(کچھ دیر بعد) امام حسین ﷺ کے پاس دوبارہ آدمی آیا، فرمایا" صبح ہونے دو" اور قصد فرمالیا کہ رات میں مکہ کے ارادے سے مع اہل و عیال سفر فرمایا جائے گا۔

یہ رات امام عالی مقام نے اپنے جدِ کریم علیہ افضل الصلوٰۃ والتسلیم کے روضہ منورہ میں گزاری کہ آخر تو فراق کی ٹھہرتی ہے، چلتے وقت تو اپنے جدِ کریم ﷺ کی مقدس گود میں لپٹ لیں پھر خدا جانے زندگی میں ایسا وقت ملے یا نہ ملے۔ امام آرام میں تھے کہ خواب دیکھا، حضور پرنور ﷺ تشریف لائے ہیں اور امام کو کلیجے سے لگا کر فرماتے ہیں،" حسین وہ وقت قریب آتا ہے کہ تم پیاسے شہید کئے جاؤ گے اور جنت میں شہیدوں کے بڑے درجے ہیں" یہ دیکھ کر آنکھ کھل گئی، اٹھے اور روضہ مقدس کے سامنے رخصت ہونے کو حاضر ہوئے۔

مسلمانو! حیاتِ دنیاوی میں امام کی یہ حاضری پچھلی (یعنی آخری) حاضری ہے، صلوٰۃ و سلام عرض کرنے کے بعد سر جھکا کر کھڑے ہو گئے ہیں، غمِ فراق کلیجے میں چٹکیاں لے رہا ہے، آنکھوں سے لگاتار آنسو جاری ہیں، رقت کے جوش نے جسمِ مبارک میں رعشہ پیدا کر دیا ہے، بے قراریوں نے محشر بپا کر رکھا ہے، دل کہتا ہے سر جائے، مگر یہاں سے قدم نہ اٹھایئے، صبح کے کھٹکے کا تقاضہ ہے جلد تشریف لے جایئے، دو قدم جاتے ہیں اور پھر پلٹ آتے ہیں، حب وطن قدموں سے لوٹتی ہے کہ کہاں جاتے ہو؟ غربت دامن کھینچتی ہے کیوں دیر لگاتے ہو؟ شوق کی تمنا ہے کہ عمر بھر نہ جائیں، مجبوریوں کا تقاضا ہے دم بھر نہ ٹھہرنے پائیں۔

شعبان کی چوتھی رات کے تین پہر گزر چکے ہیں اور پچھلے (یعنی آخری پہر) کے نرم نرم جھونکے سونے والوں کو تھپک تھپک کر سلا رہے ہیں، ستاروں کے سنہرے رنگ میں کچھ کچھ سپیدی ظاہر ہو چکی ہے، اندھیری رات کی تاریکی اپنا دامن سمیٹنا چاہتی ہے۔ تمام شہر میں سناٹا ہے، نہ کسی بولنے والے کی آواز کان تک پہنچتی ہے، نہ کسی چلنے والے کی چاپ سنائی دیتی ہے، شہر بھر کے دروازے بند ہیں، ہاں خاندانِ نبوت کے مکانوں میں اس وقت جاگ ہو رہی ہے اور سامانِ سفر درست کیا جا رہا ہے، ضرورت کی چیزیں باہر نکالی گئی ہیں، سواریاں دروازوں پر تیار کھڑی ہیں، محمل کس گئے ہیں، پردے کا انتظام ہو چکا ہے، ادھر امام کے بیٹے، بھائی، بھتیجے، گھر والے سوار ہو رہے ہیں۔ ادھر امام، مسجد نبوی سے باہر تشریف لائے ہیں محرابوں نے سر جھکا کر تسلیم کی، میناروں نے کھڑے ہو کر تعظیم دی، قافلہ سالار کے تشریف لاتے ہی نبی زادوں کا قافلہ روانہ ہو گیا ہے۔

مدینہ میں اہل بیت سے حضرت صغریٰ (یعنی) امامِ مظلوم کی صاحبزادی اور جناب محمد بن حنفیہ (یعنی) مولیٰ علی کے بیٹے باقی رہ گئے۔

اللہ اکبر! ایک وہ دن تھا کہ حضور سرورِ عالم ﷺ نے کافروں کی ایذاء دہی اور تکلیف رسانی کی وجہ سے مکہ معظمہ سے ہجرت فرمائی، مدینہ والوں نے جب یہ خبر سنی، دلوں میں مسرت انگیز امنگوں نے جوش اور آنکھوں میں شادی عید کا نقشہ کھینچ گیا، آمد آمد کا انتظار لوگوں کو آبادی سے نکال کر پہاڑوں پر لے جاتا، منتظر آنکھیں مکہ کی راہ کو جہاں تک ان کی نظر پہنچتی، ٹکٹکی باندھ کر تکتیں اور مشتاق دل ہر آنے والے کو دور سے دیکھ کر چونک چونک پڑتے، جب آفتاب گرم ہو جاتا، گھروں پر واپس آتے۔ اسی کیفیت میں کئی دن گزر گئے، ایک دن اور روز کی طرح وقت بے وقت ہو گیا تھا اور انتظار کرنے والے حسرتوں کو سمجھاتے تمناؤں کو تسکین دیتے پلٹ چکے تھے، ایک یہودی نے بلندی سے آواز دی،" راہ دیکھنے والو! پلٹو! تمہارا مقصود آیا اور تمہارا مطلب پورا ہوا" اس صدا کے سنتے ہی وہ آنکھیں جن پر ابھی حسرت آمیز حیرت چھا گئی تھی، اشکِ شادی برسا چلیں، وہ دل جو مایوسی سے مرجھا گئے تھے، تازگی کے ساتھ جوش مارنے لگے، بے قرارانہ، پیشوائی کو بڑھے، پروانہ وار قربان ہوتے آبادی تک لائے، اب کیا تھا؟ خوشی کی گھڑی آئی، منہ مانگی مراد پائی، گھر گھر سے نغماتِ شادی کی آوازیں بلند ہوئیں، پردہ نشین لڑکیوں نے دف بجائی، خوشی کے لہجوں مبارک باد کے گیت گاتی نکل آئیں:

طلع البدر علینا   من ثنیت الوداع

وجب الشکر علینا   ما دعا للہ داع

ہم پر وداع کی گھاٹیوں سے چودھویں رات کا چاند طلوع ہوا ہے۔ ہم پر اللہ عزوجل کا شکر واجب ہے جب تک دعا مانگنے والا دعا مانگے۔

بنی نجار کی لڑکیاں گلی کوچوں میں اس شعر سے اظہارِ مسرت کرتی ہوئی ظاہر ہوئیں:

نحن جوار من بنی النجار

یــــا حبــذا محمــــد مــن جــار

ہم بنونجار کی لڑکیاں ہیں۔اے نجاریو! محمد ﷺ کیسے اچھے ہمسائے ہیں۔

غرض مسرت کا جوش تھا، در و دیوار سے خوشی ٹپک رہی تھی۔

(لیکن) ایک آج کا دن ہے کہ امام مظلوم سے مدینہ چھوٹتا ہے، مدینہ ہی نہیں بلکہ دنیا کی سب راحتیں، تمام آسائشیں، ایک ایک کر کے رخصت ہوتی اور خیر آباد کہتی ہیں۔ یہ سب در کنار، ناز اٹھانے والی ماں کا پڑوس، ماں جائے بھائی کا ہمسایہ اور سب سے بڑھ کر امام پر اپنا بیٹا قربان کر دینے والے جدِ کریم علیہ الصلوۃ والسلام کا قرب، کیا یہ ایسی چیزیں ہیں جن کی طرف سے آسانی کے ساتھ آنکھیں پھیر لی جائیں؟ آسانی کے ساتھ آنکھیں پھیرنی کیسی، اگر امام کو مدینہ نہ چھوڑنے پر قتل کر دیا جاتا تو قتل ہونا منظور فرماتے اور مدینہ سے پاؤں باہر نہ نکالتے، مگر اس مجبوری کا کیا علاج کہ امام کے ناقہ کو قضا، مہار پکڑے اس میدان کی جانب لیے جاتی ہے، جہاں قسمت نے پردیسیوں کے قتل ہونے، پیاسوں کے شہید کیے جانے کا سامان جمع کیا ہے۔ مدینے کی زمین جس پر آپ گھٹنوں چلے، جس نے آپ کی بچپن کی بہاریں دیکھیں، جس پر آپ کی جوانی کی کرامتیں ظاہر ہوئیں، اپنے سر پر خاکِ حسرت ڈالتی اور پردیس جانے والے کے پیارے پیارے نازک پاؤں سے لپٹ کر زبانِ حال سے عرض کر رہی ہے کہ ''اے فاطمہ ﷺ کے گود کے سنگھار! کلیجے کی ٹیک! زندگی کی بہار! کہاں کا ارادہ فرمایا ہے؟ وہ کون سی سرزمین ہے جسے یہ عزت والے پاؤں جو میری آنکھوں کے تارے ہیں، شرفِ عزت بخشنے کا قصد فرماتے ہیں؟''

اے تماشا گاہ عالم روئے تو

تو کجا بہر تماشہ مے روی

(تمام لوگ تو تیری زیارت کے لئے آرہے ہیں، مگر تو کس طرف جا رہا ہے؟)

جس قدر یہ برکت والا قافلہ نگاہ سے دور ہوجاتا ہے اسی قدر پیچھے رہ جانے والی پہاڑیاں اور مسجدِ نبوی کے منارے سر اٹھا اٹھا کر دیکھنے کی خواہش زیادہ ظاہر کرتے ہیں، یہاں تک کہ جانے والے نگاہوں سے غائب ہوگئے اور مدینہ کی آبادی پر حسرت بھرا سناٹا چھا گیا۔

اللھم صل علی سیدنا و مولانا محمد و علی الہ و اصحابہ اجمعین

راستے میں عبداللہ بن مطیع ﷺ ملے، عرض کی، ''کہاں کا قصد فرمالیا؟'' فرمایا، ''فی الحال مکہ کا'' عرض کی، ''کوفے کا عزم نہ فرمایا جائے، وہ بڑا بے ڈھنگا شہر ہے، وہاں آپ کے والد ماجد شہید ہوئے، آپ کے بھائی سے دغا کی گئی، آپ مکے کے سوا کہیں کا ارادہ نہ فرمائیں، اگر آپ شہید ہوجائیں گے، تو خدا کی قسم ہمارا ٹھکانہ نہ لگا رہے گا، ہم سب غلام بنا لئے جائیں گے۔'' بالآخر حضور مکہ پہنچ کر ساتویں ذی الحجہ تک امن وامان کے ساتھ قیام فرما رہے۔

WWW.NAFSEISLAM.COM

کوفیوں کی طرف سے فریاد و جھوٹے وعدے اور امام مسلم کی شہادت:

جب اہلِ کوفہ کو یزید خبیث کی تخت نشینی اور امام سے بیعت کیے جانے اور امام کے مدینہ چھوڑ کر مکے تشریف لے آنے کی خبر پہنچی، فریب دہی وعیاری کی پرانی روش یاد آئی، سلیمان بن صرد خزاعی کے مکان پر جمع ہوئے، ہم مشورہ ہو کر امام کو عرضی لکھی کہ تشریف لائیے اور ہم کو یزید کے ظلم سے بچائیے۔ ڈیڑھ سو عرضیاں جمع ہوجانے پر امام نے تحریر فرمایا کہ ''اپنے معتمد چچازاد بھائی مسلم بن عقیل کو بھیجتا ہوں، اگر یہ تمہارا معاملہ ٹھیک دیکھ کر اطلاع دیں گے تو ہم جلد تشریف لائیں گے''۔

حضرت مسلم کوفہ پہنچے، ادھر کوفیوں نے امام کے ہاتھ پر بیعت کرنے اور امام کو مدد دینے کا وعدہ کیا، بلکہ اٹھارہ ہزار داخلِ بیعت ہو گئے اور حضرت مسلم کو یہاں تک باتوں میں لے جا کر اطمینان دلایا کہ انہوں نے امام کو تشریف لانے کی نسبت لکھا۔

ادھر یزید پلید کو کوفیوں نے خبر دی کہ ''حسین نے مسلم کو بھیجا ہے۔ کوفے کے حاکم نعمان بن بشیر ﷺ ان کے ساتھ نرمی کا برتاؤ کرتے ہیں، کوفے کا بھلا منظور ہے تو اپنی طرح کوئی زبردست ظالم بھیج''۔

اس نے عبداللہ بن زیاد کو حاکم بنا کر روانہ کیا اور کہا کہ ''مسلم کو شہید کر دے یا کوفہ سے نکال دے'' جب یہ مردک (یعنی ذلیل آدمی) کوفہ پہنچا، امام کے ہمراہ اٹھارہ ہزار کی جماعت پائی، امیروں کو دھمکانے پر مقرر کیا، کسی کو دھمکی دی، کسی کو لالچ سے توڑ دیا۔ یہاں تک کہ تھوڑی دیر میں امام مسلم کے پاس صرف تیس 30 آدمی رہ گئے مسلم یہ دیکھ کر مسجد سے باہر نکلے کہ کہیں پناہ لیں۔ جب دروازہ سے باہر آئے، ایک بھی ساتھ نہ تھا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ آخر ایک گھر میں پناہ لی، ابن زیاد نے یہ خبر پا کر فوج بھیجی، جب امام مسلم کو آوازیں پہنچیں، تلوار لے کر اٹھے اور ان روباہ منشوں (یعنی بزدل مردوں) کو مکان سے باہر نکال دیا، کچھ دیر بعد پھر جمع ہو کر آئے، شیر خدا کا بھتیجا پھر تیغ بکف اٹھا

اور آن کی آن میں ان شغالوں (یعنی گیدڑوں) کو پریشان کردیا، کئی بار ایسا ہوا جب ان نامردوں کا اس اکیلے مردِ خدا پر بس نہ چلا، مجبور ہوکر چھتوں پر چڑھ گئے پتھر اور آگ کے لوکے (یعنی شعلے) پھینکنا شروع کیے، شیرِ مظلوم کا تنِ نازنین ان ظالموں کے پتھروں سے خونا خون تھا، مگر وہ تیغ برکف وکف برلب حملہ فرماتا باہر نکلا اور راہ میں جو گروہ کھڑے تھے ان پر عقابِ عذاب کی طرح ٹوٹا، جب یہ حالت دیکھی ابن اشعث نے کہا، ''آپ کے لئے امان ہے نہ آپ قتل کیے جائیں نہ کوئی گستاخی ہو۔'' مسلم مظلوم تھک کر ایک دیوار سے پیٹھ لگا کر بیٹھ گئے، خچر سواری کے لئے حاضر ہوا، اس پر سوار کیے گئے، ایک نے تلوار حضور کے ہاتھ سے لے لی، فرمایا ''یہ پہلا مکر ہے'' ابن اشعث نے کہا ''کچھ خوف نہ کیجئے'' فرمایا ''وہ امان کدھر گئی'' پھر رونے لگے، ایک شخص بولا، ''تم جیسا بہادر اور روئے'' فرمایا ''اپنے لئے نہیں روتا ہوں، رونا حسین اور آلِ حسین ﷺ کا ہے کہ وہ تمہارے اطمینان پر آتے ہوں گے اور انہیں اس مکروہ بدعہدی کی خبر نہیں'' پھر ابن شعث سے فرمایا ''میں دیکھتا ہوں کہ تم مجھے پناہ دینے سے عاجز رہو گے اور تمہاری امان کام نہ دے گی، اگر ہوسکے تو اتنا کرو کہ اپنے پاس سے کوئی آدمی بھیج کر میرے حال کی اطلاع دے دو کہ وہ واپس جائیں اور کوفیوں کے فریب میں نہ آئیں''۔

جب مسلم، ابن زیاد بدنہاد کے پاس لائے گئے، ابن شعث نے کہا، میں انہیں امان دے چکا ہوں۔ وہ خبیث بولا ''تجھے امان دینے سے کیا تعلق، ہم نے تجھے ان کے لانے کو بھیجا تھا نہ کہ امان دینے کو'' ابن شعث چپ رہے، مسلم اس شدتِ محنت اور زخموں کی کثرت میں پیاسے تھے۔ ٹھنڈے پانی کا ایک گھڑا دیکھا، فرمایا ''مجھے اس میں سے پلا دو'' ابن عمرو باہلی بولا ''دیکھتے ہو کیسا ٹھنڈا ہے، تم اس میں ایک بوند نہ چکھنے پاؤ گے، یہاں تک کہ (معاذ اللہ) جہنم میں آب گرم پیو''۔

امام مسلم نے فرمایا، ''او سنگ دل! درشت خو! آب حمیم ونارِ جحیم کا تو مستحق ہے'' پھر عمارہ بن عقبہ کو ترس آیا، ٹھنڈا پانی منگا کر پیش امام کیا، امام نے پینا چاہا، پیالہ خون سے بھر گیا (یعنی اس میں آپ کے خون کی آمیزش ہوگئی) تین بار ایسا ہی ہوا، فرمایا ''خدا کو ہی منظور نہیں''

جب ابن زیاد بدنہاد کے سامنے گئے، اسے سلام نہ کیا وہ بھڑکا اور کہا، ''تم ضرور قتل کیے جاؤ گے۔ فرمایا، ''تو مجھے وصیت کر لینے دے۔'' اس نے اجازت دی۔ مسلم مظلوم نے عمرو بن سعد سے فرمایا ''مجھ میں تجھ میں قرابت ہے اور مجھے تجھ سے ایک پوشیدہ حاجت ہے'' اس سنگدل نے کہا ''میں سننا نہیں چاہتا'' ابن زیاد بولا ''سن لے کہ یہ تیرے چچا کی اولاد ہیں۔ وہ الگ لے گیا فرمایا ''کوفہ میں، میں نے سات سو روپے قرض لئے ہیں وہ ادا کر دینا اور بعد قتل میرا جنازہ ابن زیاد سے لے کر دفن کرا دینا اور امام حسین کے پاس کسی کو بھیج کر منع کرا بھیجنا'' ابن سعد نے ابن زیاد سے یہ سب باتیں بیان کر دیں۔ وہ بولا ''کبھی خیانت کرنے والے کو بھی امانت سپرد کی جاتی ہے، یعنی انہوں نے پوشیدہ رکھنے کو فرمایا تھا، تو نے ظاہر کر دیں، اپنے مال کا تجھے اختیار ہے جو چاہے کر حسین اگر ہمارا قصد نہ کریں گے، ہم ان کا نہ کریں گے، ورنہ ہم ان سے باز نہ رہیں گے، رہا مسلم کا جنازہ، اس میں ہم تیری سفارش سننے والے نہیں، پھر حکم پا کر جلاد ظالم، انہیں بالائے قصر لے گیا، امام مسلم برابر تسبیح واستغفار میں مشغول تھے، یہاں تک کہ شہید کیے گئے اور ان کا سر مبارک، یزید پلید کے پاس بھیجا گیا۔

امام جنت (رضی اللہ عنہ) کی مقام کربلا کی جانب روانگی:

پائی نہ تیغ عشق سے ہم نے کہیں پناہ
قرب حرم میں بھی تو ہیں قربانیوں میں ہم

۶۰ھ کا پچھلا مہینہ اور حج کا زمانہ، دنیا کے دور دراز حصوں سے لاکھوں مسلمان وطن چھوڑ کر عزیزوں سے منہ موڑ کر اپنے رب جل جلالہ کے مقدس اور برگزیدہ گھر کی زیارت سے مشرف ہونے حاضر ہوئے ہیں، دلوں میں فرحت نے ایک جوش پیدا کر دیا ہے، اور سینوں میں سرور لہریں لے رہا ہے کہ بیچ میں ایک رات بیچ میں ہے کہ صبح نویں تاریخ ہے اور مہینوں کی محنت وصول ہونے، مدتوں کے ارمان نکلنے کا مبارک دن ہے۔ مسلمان خانہ کعبہ کے گرد پھر پھر کر نثار ہورہے ہیں، مکہ معظمہ میں ہر وقت کی چہل پہل نے دن کو روزِ عید اور رات کو شب براءت کا آئینہ بنا دیا ہے۔ کعبہ کا دلکش بناؤ، کچھ ایسی دل آویز اداؤں کا سامان اپنے ساتھ لئے ہوئے ہے کہ لاکھوں کے جمگھٹ میں جسے دیکھئے شوق بھری نگاہوں سے اسی کی طرف دیکھ رہا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ سیاہ پردے کی چلمن سے کسی محبوب دلنواز کی پیاری تجلیاں چھن چھن کر نکل رہی ہیں، جن کی ہوش ربا تاثیروں، دلکش کیفیتوں نے یہ مجلس آرائیاں کی ہیں۔ عاشقانِ دلدادہ، فرقت کی مصیبتیں، جدائی کی تکلیفیں جھیل کر جب خوش قسمتی سے اپنے پیارے معشوق کے آستانہ پر حاضری کا موقع پاتے ہیں، ادب وشوق کی الجھن، مسرت آمیز بے قراری کی خوش آئندہ تصویر ان کی آنکھوں کے سامنے کھینچ دیتی ہے اور وہ اپنی چمکتی ہوئی تقدیر پر طرح طرح سے ناز کرتے ہیں اور بے اختیار کہہ اٹھتے ہیں:

مقام وجد ہے اے دل کہ کوئے یار میں آئے

بڑے دربار میں پہنچے بڑی سرکار میں آئے

غرض آج کا یہ دھوم دھامی جلسہ جو ایک غرضِ مشترک کے ساتھ اپنے محبوب کے در دولت پر حاضر ہے، اپنی بھرپور کامیابی پر انتہا سے زیادہ مسرت ظاہر کر رہا ہے مگر امامِ مظلوم کے مقدس چہرے سے معلوم ہوتا ہے کہ کسی خاص وجہ سے اس مجمع میں شریک نہیں رہ سکتے یا ان کے سامنے سے کسی نے پردہ اٹھا کر کچھ ایسا عالم دکھا دیا ہے کہ ان کی مقدس نگاہ کو اس مبارک منظر کی طرف دیکھنے اور ادھر متوجہ ہونے کی فرصت ہی نہیں اور اگر کسی وقت حاجیوں کے جماؤ کی طرف حسرت سے دیکھتے اور حج نفل کے فوت ہونے پر اظہار افسوس بھی کرتے ہیں تو تقدیر، زبانِ حال سے کہہ اٹھتی ہے کہ "حسین تم غمگین نہ ہو اگر اس سال حج کرنے کا افسوس ہے تو میں نے تمہارے لئے حجِ اکبر کا سامان مہیا کیا ہے اور کمر شوق پر دامنِ ہمت کا مبارک احرام چست باندھو، اگر حاجیوں کی سعی کے لئے مکہ کا ایک نالہ مقرر کیا گیا ہے تو تمہارے لئے مکے سے کربلا تک وسیع میدان موجود ہے۔ حاجی اگر زمزم کا پانی پئیں گے تو تمہیں تین دن پیاسا رکھ کر شربتِ دیدار پلایا جائے گا کہ پیو تو خوب سیر ہو کر پیو، حاجی بقر عید کی دسویں کو مکہ میں جانوروں کی قربانیاں کریں گے، تو تم محرم کی دسویں کو کربلا کے میدان میں اپنی گود کے پالوں کو خاک و خون میں تڑپتا دیکھو گے، حاجیوں نے مکے کی راہ میں مال صرف کیا ہے، تم کربلا کے میدان میں اپنی جان اور عمر بھر کی کمائی لٹا دو گے، حاجیوں کے لئے مکے میں تاجروں نے بازار کھولا ہے، تم فرات کے کنارے دوست کی خاطر اپنی دوکانیں کھولو گے۔ یہاں تاجر مال فروخت کرتے ہیں، وہاں تم جانیں بیچو گے۔ یہاں حاجی خرید و فروخت کو آتے ہیں۔ تمہاری دکانوں پر تمہارا دوست جلوہ فرمائے گا۔ جو پہلے ہی ارشاد کر چکا ہے۔

"ان اللہ اشتریٰ من المومنین انفسھم و اموالھم بان لھم الجنۃ۔

بے شک اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کی جانیں اور مال جنت کے بدلے میں مول لے لئے ہیں۔ (التوبہ ۱۱۱، پ ۱۱)

غرض ان کیفیتوں نے کچھ ایسا از خود رفتہ بنا دیا ہے کہ امام عالی مقام ﷺ نے بقر عید کی آٹھویں تاریخ کو کوفے کا قصد فرما لیا، جب یہ خبر مشہور ہوئی تو عمر بن عبد الرحمٰن نے اس ارادے کا خلاف کیا اور جانے سے مانع آئے۔ حضرت امام عالی مقام نے فرمایا "جو ہونی ہے، ہو کر رہے گی" عبد اللہ ابن عباس نے نہایت عاجزی سے روکنا چاہا اور عرض کی، "کچھ دنوں تامل فرمایئے اور انتظار کیجئے، اگر کوفی ابن زیاد کو قتل کر دیں اور دشمنوں کو نکال باہر کر دیں تو جانئے کہ نیک نیتی سے بلاتے ہیں اور اگر وہ ان پر قابض اور دشمن موجود ہیں تو ہرگز وہ حضور کو بھلائی کی طرف نہیں بلاتے، میں اندیشہ کرتا ہوں کہ یہ بلانے والے ہی مقابل آئیں گے، فرمایا "میں استخارہ کروں گا" عبد اللہ ابن عباس پھر آئے اور کہا "بھائی صبر کرنا چاہتا ہوں مگر صبر نہیں آتا، مجھے اس روانگی میں آپ کے شہید ہو جانے کا اندیشہ ہے، عراقی بدعہد ہیں، انہوں نے آپ کے باپ کو شہید کیا، آپ کے بھائی کا ساتھ نہ دیا، آپ اہل عرب کے سردار ہیں، عرب ہی میں قیام رکھیے یا عراقیوں کو خط لکھیے کہ وہ ابن زیاد کو نکال دیں، اگر ایسا ہو جائے تشریف لے جائیے اور اگر تشریف ہی لے جانا ہے تو یمن کا قصد فرمایئے کہ وہاں قلعے ہیں، گھاٹیاں ہیں اور وہ ملک ایک وسیع سرزمین رکھتا ہے، فرمایا "بھائی خدا کی قسم! میں آپ کو ناصح مشفق جانتا ہوں، مگر میں تو ارادہ مصمم (یعنی پختہ ارادہ) کر چکا" عرض کی "تو بیبیوں کو ساتھ نہ لے جایئے" یہ بھی منظور نہ ہوا۔

عبد اللہ ابن عباس ﷺ ہائے پیارے! ہائے پیارے! کہہ کر رونے لگے۔ اسی طرح عبد اللہ ابن عمر ﷺ نے منع کیا، نہ مانا، انہوں نے پیشانی مبارک پر بوسہ دے کر کہا، "اے شہید ہونے والے! میں تمہیں خدا کو سونپتا ہوں۔"

یونہی عبد اللہ ابن زبیر ﷺ نے روکا، فرمایا، "میں نے اپنے والد صاحب سے سنا ہے کہ ایک مینڈھے کے سبب سے مکے کی بے حرمتی کی جائے گی، میں پسند نہیں کرتا کہ وہ مینڈھا میں بنوں۔" جب روانہ ہو لئے، راہ میں آپ کے چچا زاد بھائی حضرت عبد اللہ ابن جعفر ﷺ کا خط ملا، لکھا تھا، "ذرا ٹھہریئے میں ابھی آتا ہوں۔"

حضرت عبد اللہ ﷺ نے عمرو بن سعید، حاکمِ مکہ سے امامِ مظلوم کے لئے ایک خط "امان اور واپس بلانے کا" مانگا، انہوں نے لکھ دیا اور اپنے بھائی یحییٰ بن سعید کو واپس بلانے کے لئے ساتھ کر دیا، دونوں حاضر آئے اور سر سے پاؤں تک گئے (یعنی بے حد اصرار کیا) کہ واپس تشریف لے چلیں، مقبول نہ ہوا۔ فرمایا "میں نے رسول اللہ ﷺ کو خواب میں دیکھا ہے اور مجھے ایک حکم دیا گیا ہے، اس کی تعمیل کروں گا، سر جائے خواہ رہے نہ رہے۔ پوچھا، "وہ خواب کیا ہے؟ فرمایا، "جب تک زندہ ہوں کسی سے نہ کہوں گا۔" یہ فرما کر روانہ ہو گئے۔

نظم

سب نے عرض کی کہ شہزادۂ حیدر مت جا
اے حسین ابن علی، سبطِ پیغمبر مت جا

صدمے واں پہنچے علی اور حسن کو کیا کیا
جانا کوفہ کا ہر گز نہیں بہتر مت جا
حق نما آئینہ ہے رخ تیرا اندھے ہیں وہی
لے کے اندھوں میں یہ آئینہ سکندر مت جا
سنگِ باراں سے بچا جامِ بلوریں اپنا
ایسے لوگوں میں جو پتھر سے ہیں بد تر مت جا
گلِ شادابِ نبی اب اپنے چمن سے نہ نکل
نازنیں پھول ہے تُو کانٹوں کے اندر مت جا
چلتے ہیں صر صرِ آفات کے مُظلِم جھونکے
شمع رُو قلعہ فانوس سے باہر مت جا
بُو سعید ، ابن عمر ، جابر و ابن عباس
تھا یہی کلمہ سب اصحاب کے لب پر مت جا
بیدلؔ اس شاہ کو مقتل میں قضا لے ہی گئی
کہتے سب رہ گئے اے دین کے سرور مت جا

جب امام کے بھائی امام محمد حنفیہ ﷺ کو روانگیٔ امام کی خبر پہنچی، طشت میں وضو فرما رہے تھے، اس قدر روئے کہ طشت آنسوؤں سے بھر دیا، امام تھوڑی دور پہنچے ہیں کہ فَـرَزْدَق شاعر کوفے سے آتے ملے، کوفیوں کا حال پوچھا، عرض کیا "اے رسول اللہ ﷺ کے جگر پارے! ان کے دل حضور کے ساتھ ہیں اور ان کی تلواریں بنی امیہ کے ساتھ، قضا آسمان سے اترتی ہے اور خدا جو چاہتا ہے کرتا ہے۔"

ابن زیاد کی جانب سے ناقہ بندی:

غرض ادھر تو امام روانہ ہوئے، ادھر ابن زیاد بد نہاد بانیٔ فساد کو جب یہ خبر پہنچی، قادسیہ سے خفان و کوہ لعلع اور قطقطانہ تک فوج سے ناقہ بندیاں کرا دیں اور قیامت تک کے مسلمانوں کے دلوں میں گھائل کرنے اور کلیجوں میں گھاؤ ڈالنے کی بنیاد ڈال دی۔ امام مظلوم نے قیس بن مسہر کو اپنی تشریف آوری کی اطلاع دینے کوفے بھیجا، جب یہ مرحوم قادسیہ پہنچے، ابن زیاد کے سپاہی گرفتار کر کے اس خبیث کے پاس لے گئے۔ اس مردود نے کہا، "اگر جان کی خیر چاہتے ہو تو اس چھت پر چڑھ کر حسین کو گالیاں دے۔" یہ سن کر وہ خاندانِ نبوت کا فدائی، اہلِ بیتِ رسالت کا شیدائی چھت پر گیا اور اللہ تبارک وتعالیٰ کی حمد و ثنا کے بعد بلند آواز سے کہنے لگا، "حسین آج تمام جہان سے افضل ہیں، رسول اللہ ﷺ کی صاحبزادی فاطمہ زہرا کے کلیجے کے ٹکڑے ہیں، مولیٰ علی کی آنکھوں کے نور، دل کے سرور ہیں، میں ان کا قاصد ہوں، ان کا حکم مانو اور ان کی اطاعت کرو، پھر کہا ابن زیاد اور اس کے باپ پر لعنت۔"

آخر کار اس مردک نے جل کر حکم دیا کہ چھت سے گرا کر شہید کیے جائیں اس وقت بادۂ الفت (یعنی شرابِ الفت) کے متوالے کا بے قرار دل، امام عرش مقام کی طرف منہ کیے التجا کے لہجے میں عرض کر رہا ہے،

بجرم عشق لوام مے کشند غوغا ییست
تو نیز بر سربام آکہ خوش تماشا ییست

(میرا جرم تیرے عشق کے سوا اور کچھ نہیں، یہ اسی کا شور ہے، تو مہربانی کر کے میرے پاس آؤ، کیونکہ تمہاری زیارت بہت عمدہ ہے)

زہیر بن قیس بجلی ﷺ کی معیت:

امام مظلوم آگے بڑھے تو راہ میں زہیر بن قیس بجلی ﷺ ملے، وہ حج سے واپس آتے تھے اور مولیٰ علی ﷺ سے کچھ کدورت رکھتے تھے۔ دن بھر امام کے ساتھ رہتے، رات کو علیحدہ ٹھہرتے۔ ایک روز امام نے بلا بھیجا، بکراہت آئے، خدا جانے کیا فرما دیا اور کس ادا سے دل چھین لیا کہ اب جو واپس آئے تو اپنا اسباب امام کے اسباب میں رکھ دیا اور ساتھیوں سے کہا، جو میرے ساتھ رہنا چاہیے، رہے ورنہ یہ ملاقات، پچھلی (یعنی آخری) ملاقات ہے، پھر اپنا سامان لے آئے اور امام کے ساتھ ہو جانے کا سبب بیان کیا کہ شہر ملنجر پر ہم نے جہاد کیا، وہ فتح ہوا، کثیر نعمتوں کے ملنے پر ہم بہت خوش ہوئے۔ حضرت سلمان فارسی ﷺ نے فرمایا، "جب تم جوانانِ آلِ محمد ﷺ کے سردار کو پاؤ تو ان کے ساتھ دشمن

سے لڑنے پر اس سے زیادہ خوش ہونا۔" اب وہ وقت آ گیا ہے، میں تم سب کو سپرد خدا کرتا ہوں، پھر اپنی بی بی کو طلاق دے کر کہا، گھر جاؤ، (کیوں کہ ایسا نہ ہو) کہ میرے سبب سے تم کو کوئی نقصان پہنچے۔"

خدا جانے ان اچھی صورت والوں کی اداؤں میں کس قیامت کی کشش رکھی گئی ہے، یہ جسے ایک نظر دیکھ لیتے ہیں، وہ ہر طرف سے ٹوٹ کر انہیں کا ہو رہتا ہے۔ پھر یاروں سے یاری رہتی ہے، نہ زن و مرد کی پاسداری۔ آخر یہ وہی رہبر تو ہیں جو مولیٰ علیؑ سے کدورت رکھتے اور رات کو امام سے علیحدہ ٹھہرتے تھے، یہ انہیں کیا ہو گیا؟ اور کس کی ادا نے مار رکھا (یعنی اپنا عاشق بنا لیا) جو عزیزوں کا ساتھ چھوڑنے، عورت کو طلاق دینے پر مجبور ہو کر بے کسی سے جان دینے اور مصیبتیں جھیل کر شہید ہونے کو آمادہ ہو گئے۔

امام مسلمؑ کی شہادت کی خبر:

اب یہ قافلہ اور بڑھا تو ابن اشعث کا بھیجا ہوا آدمی ملا، جو حضرت مسلم کی وصیت پر عمل کرنے کی غرض سے بھیجا گیا، اس سے حضرت مسلم کی شہادت کی خبر معلوم ہونے پر بعض ساتھیوں نے امام کو قسم دی کہ یہیں سے پلٹ چلیے۔ مسلم شہید کے عزیزوں نے کہا، "ہم کسی طرح نہیں پلٹ سکتے، یا خونِ ناحق کا بدلہ لیں گے یا مسلم مرحوم سے جا ملیں گے۔" امام نے فرمایا کہ "تمہارے بعد زندگی بیکار ہے۔" پھر جو لوگ راہ میں ساتھ ہو لئے تھے ان سے ارشاد کیا، "کوفیوں نے ہمیں چھوڑ دیا ہے، اب جس کا جی میں آئے پلٹ جائے، ہمیں کچھ ناگوار نہ ہوگا۔" یہ اس غرض سے فرما دیا کہ لوگ یہ سمجھ کر ہمراہ ہوئے تھے کہ امام ایسی جگہ تشریف لے جاتے ہیں جہاں کے لوگ داخلِ بیعت ہو چکے ہیں، یہ سن کر سوا ان چند بندگانِ خدا کے، جو مکہ معظمہ سے ہم رکاب سعادت مآب تھے، سب اپنی اپنی راہ گئے۔

پھر ایک عربی ملے۔ عرض کی کہ "اب تیغ و سنان پر جانا ہے (یعنی اب آگے تشریف لے جانا اپنے آپ کو تلواروں اور نیزوں کے سامنے پیش کرنا ہے۔) آپ کو قسم ہے کہ واپس جائیے۔" فرمایا، "جو خدا چاہتا ہے ہو کر رہتا ہے۔"

حضرت حرؑ کی آمد:

اب امامِ عالی مقام موضع شراف سے آگے بڑھے ہیں۔ یہ دوپہر کا وقت ہے، یکایک ایک صاحب نے اللہ اکبر کہا، فرمایا، "کیا ہے؟ کہا "کھجور کے درخت نظر آئے ہیں۔ قبیلہ بنی اسد کے دو شخصوں نے کہا "اس زمین میں کھجور کبھی نہ تھے۔" فرمایا "پھر کیا ہے؟ عرض کی "سوار معلوم ہوتے ہیں۔" فرمایا "میرا بھی یہی خیال ہے، اچھا تو یہاں کوئی پناہ کی جگہ ہے کہ اسے ہم اپنی پشت پر لے کر اطمینان کے ساتھ دشمن کے ساتھ مقابلہ کر سکیں۔" کہا ہاں! کوہ ذوحسم، اگر حضور ان سے پہلے اس تک پہنچ گئے۔" یہ باتیں ہو رہی تھیں کہ سوار آئے اور امام سبقت فرما کر پہاڑ کے پاس ہو لئے، جب وہ اور قریب آئے تو معلوم ہوا کہ حُر ہیں جو ایک ہزار سواروں پر افسر بنا کر امام کو ابن زیاد کے پاس لے جانے کے لئے بھیجے گئے ہیں، اس ٹھیک دوپہر میں اصحاب امام کے سامنے اترے۔ مالکِ کوثر کے بیٹے نے حکم دیا کہ "انہیں اور ان کے گھوڑوں کو پانی پلاؤ۔" ہمراہیانِ امام نے پانی پلایا۔

جب ظہر کا وقت ہوا، امام نے مؤذن کو حکم دیا، پھر ان لوگوں سے فرمایا، "تمہاری طرف میرا آنا اپنی مرضی سے نہ ہوا، تم نے خط اور قاصد بھیج بھیج کر بلایا، اب اگر اطمینان کا اقرار کرو، تو میں تمہارے شہر چلوں ورنہ واپس جاؤں۔" کسی نے جواب نہ دیا اور مؤذن سے کہا تکبیر کہو۔ امام نے حر سے فرمایا، "اپنے ساتھیوں کو کہو تم نماز پڑھاؤ گے؟" کہا نہیں، آپ پڑھائیں اور ہم سب مقتدی ہوں (گے)۔ بعد نماز حر، اپنے مقام پر گئے۔ امام نے اللہ تعالیٰ کی تعریف کے بعد ان لوگوں سے ارشاد کیا، "اگر تم اللہ سے ڈرو اور حق کو اس کے اہل کے لئے پہچانو تو خدا تعالیٰ کی رضامندی اسی میں ہے کہ ہم اہل بیت ان ظالموں کے مقابلہ میں "اولی الامر (یعنی حاکم)" ہونے کے مستحق ہیں۔ بایں ہمہ (یعنی اس سب کے ساتھ ساتھ) اگر تم ہمیں ناپسند کرو اور ہمارا حق نہ پہچانو اور اپنے خطوں اور قاصدوں کے خلاف ہمارے بارے میں رائے رکھنا چاہو تو میں واپس جاؤں۔"

حر نے عرض کی "واللہ ہم نہیں جانتے کیسے خط اور کیسے قاصد؟" امام نے بھرے ہوئے خط نکال کر سامنے ڈال دیئے۔ حر نے کہا "میں خط بھیجنے والوں میں نہیں، مجھے تو یہی حکم دیا گیا ہے، جب آپ کو پاؤں تو کوفہ، ابن زیاد کے پاس پہنچاؤں۔" فرمایا "تیری موت نزدیک ہے اور یہ ارادہ دور۔" پھر ہمراہیوں کو حکم دیا کہ "واپس چلیں" حر نے روکا۔ فرمایا "تیری ماں تجھے روئے کیا چاہتا ہے؟" کہا "سنیئے! خدا کی قسم آپ کے سوا تمام عرب میں کوئی اور یہ بات کہتا تو میں اس کی ماں کو برابر سے کہتا۔ کسے باشد (یعنی کوئی بھی ہو) واللہ آپ کی ماں کا نام پاک تو میں ایسے موقع پر لے ہی نہیں سکتا۔" فرمایا آخر مطلب کیا ہے؟" عرض کی "ابن زیاد کے پاس حضور کا لے چلنا۔" فرمایا "تو خدا کی قسم! تیرے ساتھ نہ چلوں گا۔" کہا "تو خدا کی قسم! آپ کو نہ چھوڑوں گا۔"

جب بات بڑھی اور حر نے دیکھا، امام یوں راضی نہ ہوں گے اور کسی گستاخی کی نسبت ان کے ایمان نے اجازت نہ دی تو یہ عرض کی کہ ''میں دن بھر تو حضور کی نسبت سے علیحدہ نہیں ہوسکتا، ہاں جب شام ہو تو آپ مجھ سے عورتوں کی ہمراہی کا عذر فرما کر علیحدہ ٹھہریئے اور رات میں کسی وقت موقع پا کر تشریف لے جایئے، میں ابن زیاد کو لکھ بھیجوں گا۔ شاید اللہ تعالیٰ کوئی وہ صورت کرے کہ میں کسی معاملہ میں مبتلا ہونے کی جرأت نہ کرسکوں۔''

کوفیوں کی بے وفائی اور قیس بن مسہر کی شہادت کی خبر:

جب عذیب الہجانات پہنچے تو کوفے سے چار شخص آتے ملے، حال پوچھا، مجمع بن عبید اللہ عامری نے عرض کی، ''شہر کے رئیسوں کو بھاری رشوتوں سے توڑ لیا گیا ہے اور ان کے تھیلوں کو روپوں، اشرفیوں سے بھر دیا گیا ہے وہ تو ایک زبان حضور کے مخالف ہوگئے۔ رہے عوام ان کے دل حضور کی جانب جھکتے ہیں اور کل انہیں کی تلواریں حضور پر کھنچیں گی۔ فرمایا ''میرے قاصد قیس کا کیا حال ہے؟'' کہا ''قتل کیے گئے۔'' امام بے اختیار رو پڑے اور فرمایا ''کوئی اپنی منت پوری کرچکا اور کوئی انتظار میں ہے، الٰہی ہمیں اور انہیں جنت میں جمع فرما۔''

طرماح بن عدی نے عرض کی، ''آپ کے ساتھ گنتی کے آدمی ہیں اگر حر کی جماعت ہی آپ سے لڑے تو کفایت کرسکتی ہے، نہ کہ وہ جماعت جو چلنے سے ایک دن پہلے میں نے کوفہ میں دیکھی تھی، جو آپ کی طرف روانگی کے لئے تیار ہے۔ میں نے اپنی تمام عمر اتنی بڑی فوج کبھی نہ دیکھی۔ میں حضور کو قسم دیتا ہوں کہ اگر ان سے ایک بالشت بھر جدائی کی قدرت ہو تو اسی قدر رکھیئے اور اگر وہ جگہ منظور ہو جہاں باذن اللہ تعالیٰ آرام و اطمینان سے قیام فرما کر تدبیر فرمایئے تو میرے ساتھ کوہ آجاء کی طرف چلیئے، واللہ اس پہاڑ کے سبب سے ہم بادشاہان غسان و حمیر اور نعمان بن المنذر بلکہ عرب و عجم کے سب حملوں سے محفوظ رہے۔ حضور! وہاں ٹھہر کر آجاؤ، سلمے کے رہنے والوں کو فرمان تحریر فرمایئے، خدا کی قسم دس دن نہ گزریں گے کہ قوم طے کے سوار پیادے حاضر خدمت ہوں گے، پھر جب تک مرضی مبارک ہو ہم میں ٹھہریئے اور اگر پیش قدمی کا قصد ہو تو بنی طے سے بیس ہزار نوجوان حضور کے ہمراہ کردینے کا میرا ذمہ ہے اور جو حضور کے سامنے تلوار چلائیں گے اور جب تک ان میں کوئی آنکھ پلک مارتی باقی رہے گی حضور تک دشمن نہ پہنچ سکیں گے۔'' ارشاد ہوا ''اللہ تعالیٰ تمہیں جزائے خیر دے، ہمارا اور کوفیوں کا کچھ قول ہوگیا ہے جس سے ہم نہیں پھر سکتے۔'' یہ فرما کر انہیں رخصت کیا۔

امام عالی مقام ﷺ کا خواب دیکھنا:

امام نے راہ میں ایک خواب دیکھا، جاگے تو انا للہ و انا الیہ راجعون والحمد للہ رب العالمین فرماتے ہوئے اٹھے۔ امام زین العابدین نے عرض کی، اے باپ! میں آپ پر قربان، کیا بات ملاحظہ فرمائی؟ فرمایا خواب میں ایک سوار دیکھا کہ کہہ رہا ہے، لوگ چلتے ہیں اور ان کی قضائیں ان کی طرف چل رہی ہیں میں (اس قول کا مطلب یہ) سمجھا (ہوں) ہمیں ہمارے قتل کی خبر دی جاتی ہے۔ حضرت عابد ﷺ نے کہا ''اللہ تعالیٰ آپ کو برائی نہ دکھائے کیا ہم حق پر نہیں۔'' فرمایا ''ضرور ہیں۔ عرض کی جب ہم حق پر جان دیتے اور قربان ہوتے ہیں تو کیا پرواہ ہے؟ فرمایا ''اللہ تعالیٰ تم کو ان سب جزاؤں سے بہتر جزا دے جو کسی باپ کی طرف سے ملے''

ابن زیاد کی طرف سے امام عرش مقام ﷺ پر سختی کا حکم:

جب نینوے پہنچے تو ایک سوار کوفے سے آتا ملا، اس نے حر کو ابن زیاد کا خط دیا، لکھا تھا ''حسین پر سختی کر، جہاں اتریں میدان میں اتریں، پانی سے دور ٹھہریں، یہ قاصد برابر تیرے ساتھ رہے گا یہاں تک کہ تو مجھے خبر دے کہ تو نے میرے حکم کی کیا تعمیل کی ہے؟''

حر نے خط پڑھ کر امام سے گزارش کی کہ ''مجھے خط آیا ہے میں اس کا خلاف نہیں کرسکتا کہ یہ قاصد مجھ پر جاسوس بنا کر بھیجا گیا ہے۔'' زہیر بن القین نے عرض کی ''خدا کی قسم اس کے بعد جو کچھ آئے گا وہ اس سے سخت تر ہوگا اس گروہ کا قتال ہمیں آئندہ والوں کے قتال سے آسان ہے۔ ارشاد ہوا ''ہم ابتدا نہ فرمائیں گے'' یہ باتیں ہو رہی تھیں کہ آفتاب غروب ہوگیا اور محرم کی دوسری رات کا چاند اپنی ہلکی ہلکی روشنی دکھانے لگا، دونوں لشکر علیحدہ علیحدہ ٹھہرے۔

نواسۂ رسول ﷺ کی شب میں روانگی:

اب مشرقی کناروں سے اندھیرا بڑھتا آتا ہے اور بزم فلک کی شمعیں روشن ہوجاتی ہیں، فضائے عالم کے سیاح اور خدا کی آزاد مخلوق پرند چہچہا چہچہا کر خاموش ہوگئے ہیں، زمانے کی رفتار بتانے والی گھڑی اور عمروں کا حساب سمجھانے والی جنتری اسلامی سن کی تقویم جسے قدرت کے زبردست ہاتھ نے عرجون قدیم تک کی حد تک پہنچادیا ہے، کچھ دیر اپنی دلکش ادائیں دکھا کر روپوش ہوگئی، تاریکیوں کا رنگ اب اور بھی گہرا ہوگیا ہے، نگاہیں جو تقریباً دو گھنٹے پہلے دنیا کی وسیع آبادی میں دور کی چیزوں کو باطمینان تمام دیکھتی اور پرکھ سکتی تھیں، اب تھوڑے فاصلے پر بھی

کام دینے میں الجھتی بلکہ ناکام رہ جاتی ہیں اور اگر کچھ نظر بھی آجاتا ہے تو رات کی چلمن اسے صاف معلوم ہونے سے روکتی ہے۔ وقت کے زیادہ گزرنے اور بول چال کے موقوف ہوجانے نے سناٹا پیدا کر دیا ہے رات اور بھی بھیانک ہوگئی ہے، شب بیدار ستاروں کی آنکھیں جھکی پڑی ہیں۔ سونے والے لمبیاں تانے سو رہے ہیں، نیند کا جادو زمانے پر چل گیا ہے، حر کے لشکر سے نفیرِ خواب بلند ہوئی ہے، امام جنت مقام جنہوں نے اتنی رات اسی موقع کے انتظار میں جاگ جاگ کر گزاری ہے، کوچ کی تیاریاں فرما رہے ہیں اسباب جو شام سے بندھا رکھا ہے بار کیا گیا اور عورتوں بچوں کو سوار کرا لیا گیا۔

اب یہ مقدس قافلہ اندھیری رات میں فقط اس آسرے پر روانہ ہوگیا ہے کہ رات زیادہ ہے دشمن سوتے رہیں گے اور ہم ان سے صبح ہونے تک بہت دور نکل جائیں گے، باقی رات چلتے اور سواریوں کو تیز چلاتے گزاری۔

میدانِ کربلا میں آمد:

اب تقدیر کی خوبیاں دیکھئے کہ مظلوموں کی صبح ہوتی ہے تو کہاں کربلا کے میدان میں جل جلالہ، یہ محرم 61ھ کی دوسری تاریخ اور پنج شنبہ کا دن ہے، عمرو بن سعد اپنا لشکر لے کر امام کے مقابلے پر آ گیا ہے، اس بدبخت کو ابن زیاد بدنہاد نے کفار دیلم کے جہاد پر مقرر کیا اور فتح کے صلے میں حکومت ''رے'' کا فرمان لکھ دیا تھا۔ امام مظلوم کی خبر پائی، بدنصیب کی نیت بدی پر آئی، بلا کر کہا ادھر کا قصد ملتوی رکھ، پہلے حسین سے مقابل ہو، فارغ ہو کر ادھر جانا۔ کہا مجھے معاف کرو۔ کہا بہتر مگر اس شرط پر کہ ہمارا نوشتہ (فرمان) واپس دے۔ اس نے ایک دن کی مہلت مانگ کر احباب سے مشورہ کیا، سب نے ممانعت کی اور اس کے بھانجے حمزہ بن مغیرہ بن شعبہ نے کہا، ''اے ماموں! میں تجھے خدا کی قسم دیتا ہوں کہ حسین کے مقابلہ کر کے گناہ گار ہوگا، اللہ کی قسم اگر ساری دنیا تیری سلطنت میں ہو تو اسے چھوڑنا اس سے آسان ہے کہ تو خدا سے حسین کا قاتل ہو کر ملے۔ کہا ''نہ جاؤں گا'' مگر ناپاک دل میں تردد رہا، رات کو آواز آئی، کوئی کہتا ہے

أأترک ملک الری والری رغبة
ام ارجع مذموما بقتل حسین
وفی قتلہ النار التی لیس دونھا
حجاب و ملک الری قرۃ العین

(کیا میں رے کی حکومت چھوڑ دوں حالانکہ رے مرغوب چیز ہے یا قتلِ حسین کی مذمت گوارا کروں اور ان کے قتل میں وہ آگ ہے جس کی روک نہیں اور رے کی سلطنت آنکھوں کی ٹھنڈک ہے۔)

آخر قتلِ امامِ مظلوم ہی پر رائے قرار پائی، بے دین نے الدین مزرعة الدنیا (یعنی دین، دنیا کی کھیتی ہے) کی ٹھہرائی۔ (یعنی ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ وہ دنیا کو دین پر قربان کر دیتا لیکن اس نے اپنی بدقسمتی سے برعکس معاملہ کیا)۔

امام مظلوم ﷺ پر پانی بند ہونا:

عمرو بن سعد نے فرات کے گھاٹوں پر پانچ سو سوار بھیج کر، ساقی کوثر ﷺ کے بیٹے پر پانی بند کروا دیا۔ ایک رات امام نے بلا بھیجا، دونوں لشکروں کے بیچ میں حاضر آیا۔ دیر تک باتیں رہیں، امام نے سمجھایا کہ ''اہل باطل کا ساتھ چھوڑ۔'' کہا کہ میرا گھر ڈھایا جائے گا۔ فرمایا اس سے بہتر بنوا دوں گا۔ کہا کہ میری جائیداد چھن جائے گی۔ ارشاد ہوا، اس سے اچھی عطا فرماؤں گا۔''

ابن سعد کی طرف سے ابن زیاد کو مصلحت آمیز خط اور شمر کا امام کے خلاف ورغلانا:

تین چار راتیں یہی باتیں رہیں، جن کا اثر اس قدر ہوا کہ ابن سعد نے ایک صلح آمیز خط ابن زیاد کو لکھا کہ ''حسین چاہتے ہیں یا تو مجھے واپس جانے دو یا یزید کے پاس لے چلو یا کسی اسلامی سرحد پر چلا جاؤں، اس میں تمہاری مراد حاصل ہے۔'' حالانکہ امام نے یزید پلید کے پاس جانے کو ہرگز نہ فرمایا تھا، ابن زیاد نے خط پڑھ کر کہا ''بہتر ہے''۔ شمر ذی الجوشن (یعنی زرہ والا) خبیث بولا، کیا یہ باتیں مان لیتے ہیں؟ خدا کی قسم اگر حسین بے تیری اطاعت کئے چلے گئے تو ان کے لئے عزت وقوت ہوگی اور تیرے واسطے ضعف و ذلت، یوں نہیں بلکہ تیرے حکم سے جائیں اگر تو سزا دے تو مالک ہے اور اگر معاف کرے تو تیرا احسان ہے، میں نے سنا ہے کہ حسین اور ابن سعد میں رات رات بھر باتیں ہوتی ہیں۔ ابن زیاد نے کہا تیری رائے مناسب ہے تو میرا خط ابن سعد کے پاس لے جا اگر وہ مان لے تو اس کی اطاعت کرنا ورنہ تو سردارِ لشکر ہے اور ابن سعد کا سر کاٹ کر میرے پاس بھیج دینا۔ پھر ابن سعد کو لکھا کہ میں نے تجھے حسین کی طرف اس لئے بھیجا تھا کہ تو ان سے دست کش ہو یا اُمید دلائے اور ڈھیل دے یا ان کا سفارشی بنے؟ دیکھ! حسین سے میری فرمانبرداری کے لئے کہہ، اگر مان لیں تو مطیع بنا کر یہاں بھیج دے

ورنہ انہیں اوران کے ساتھیوں کو قتل کر، اگر تو ہمارا حکم مانے گا تو تجھے فرماں برداری کا انعام ملے گا ورنہ ہمارا لشکر شمر کے لئے چھوڑ دے۔

جب شمر نے خط لیا تو عبداللہ ابن ابی المحلی بن حزام اس کے ساتھ تھا۔ اس کی پھوپھی ام البنین بنت حزام رضی اللہ عنہا، مولیٰ علی کرم اللہ وجہہ الکریم کی زوجہ اور پسران مولیٰ علی رضی اللہ عنہ، حضرت عباس وعثمان وعبداللہ وجعفر رضی اللہ عنہم کی والدہ تھیں، اس نے ابن زیاد سے اپنے ان پھوپھی زاد بھائیوں کے لئے امان مانگی، اس نے لکھ دی، وہ خط اس نے صاحبوں کے پاس بھیجا، انہوں نے فرمایا، ہمیں تمہاری امان کی حاجت نہیں، ابن سمیہ کی امان سے اللہ تعالیٰ کی امان بہتر ہے۔''

شمر کی ابن سعد کے پاس آمد:

جب شمر نے ابن سعد کو ابن زیاد کا خط دیا، اس نے کہا'' تیرا برا ہو، میرا خیال ہے کہ تو نے ابن زیاد کو میری تحریر پر عمل کرنے سے پھیر کر کام بگاڑ دیا، مجھے صلح ہو جانے کی پوری اُمید تھی، حسین تو ہرگز اطاعت کو قبول کریں گے ہی نہیں، خدا کی قسم ان کے باپ کا دل ان کے پہلو میں رکھا ہوا ہے، شمر نے کہا اب تو کیا کرنا چاہتا ہے؟ بولا جو ابن زیاد نے لکھا ہے۔ شمر نے عباس اوران کے حقیقی بھائیوں کو بلا کر کہا، اے بھانجو! تمہیں امان ہے، وہ بولے'' اللہ کی لعنت تجھ پر اور تیری امان پر، ماموں بن کر ہمیں امان دیتا ہے اور رسول اللہ ﷺ کے بیٹے کو امان نہیں۔''

نو محرم الحرام اور خواب میں جدِ کریم ﷺ کی تشریف آوری:

یہ پنجشنبہ کی شام اور محرم کی نویں تاریخ ہے اس وقت سردار جوانانِ جنت کے مقابلہ میں جہنمی لشکر کو جنبش دی گئی ہے اور وہ ہے شہادت کا متوالا، حیدری کچھار کا شیر، خیمہ اطہر کے سامنے تیغ بکف جلوہ فرما ہے۔ آنکھ لگ گئی ہے، خواب میں اپنے جدِ کریم ﷺ کو دیکھا ہے کہ اپنے لختِ جگر کے سینہ پر دستِ اقدس رکھے فرمارہے ہیں'' اللھم اعطِ الحسین صبر واجرا۔ الٰہی حسین کو صبر واجر عطا کر۔'' اور ارشاد ہوتا ہے کہ اب تم قریب ہم سے ملنا چاہتے اور اپنا روزہ ہمارے پاس آکر افطار کیا چاہتے ہو۔'' جوشِ مسرت میں امام کی آنکھ کھل گئی، ملاحظہ فرمایا، دشمن حملہ آوری کا قصد کر رہے ہیں، جمعہ کے خیال اور پسماندوں کو وصیت کرنے کی غرض سے امام نے ایک رات کی مہلت چاہی، ابن سعد نے مشورہ لیا، عمرو بن حجاج زبیدی نے کہا'' اگر دیلم کے کافر بھی تم سے ایک رات مہلت مانگتے، تو دینی چاہیے تھی۔'' غرض مہلت دی گئی۔

لشکر امام عالی مقام کی طرف سے مقابلے کی تیاری:

یہاں یہ کاروائی ہوئی کہ سب خیمے ایک دوسرے کے قریب کر دیئے گئے، طنابوں سے طنابیں ملا دیں، خیموں کے پیچھے خندق کھود کر نرکل وغیرہ خشک لکڑیوں سے بھر دیں۔

اب مسلمان ان کاموں سے فارغ ہو کر امام کی خدمت میں حاضر ہوئے اور امام اپنے اہل ساتھیوں سے فرمارہے ہیں،'' صبح ہمیں دشمنوں سے ملنا ہے، میں نے بخوشی تمام تم سب کو اجازت دی، ابھی رات باقی ہے جہاں جگہ پاؤ چلے جاؤ اور ایک ایک شخص میرے اہل بیت سے ایک ایک کو ساتھ لے جاؤ، اللہ تم سب کو جزائے خیر دے، دیہات وبلاد میں متفرق ہو جاؤ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ بلا ٹالے، دشمن جب مجھے پائیں گے، تمہارا پیچھا نہ کریں گے۔'' یہ سن کر امام کے بھائیوں، صاحبزادوں، بھتیجوں اور عبداللہ ابن جعفر کے بیٹوں نے عرض کی'' یہ ہم کس لئے کریں اس لئے کہ آپ کے بعد زندہ رہیں، اللہ ہمیں وہ منحوس دن نہ دکھائے کہ آپ نہ ہوں اور ہم باقی ہوں۔''

مسلم شہید کے بھائیوں سے فرمایا گیا،'' تمہیں مسلم کا قتل ہونا ہی کافی ہے میں اجازت دیتا ہوں تم چلے جاؤ'' عرض کی اور ہم لوگوں سے جا کر کیا کہیں؟ یہ کہیں کہ'' اپنے سردار، اپنے آقا، اپنے سب سے بہتر بھائی کو دشمنوں کے نرغے میں چھوڑ آئے ہیں نہ ان کے ساتھ کوئی تیر پھینکا، نیزہ مارا، نہ تلوار چلائی اور ہمیں خبر نہیں کہ ہمارے چلے آنے کے بعد ان پر کیا گزری؟ خدا کی قسم! ہم ہرگز ایسا نہیں کریں گے بلکہ اپنی جانیں، اپنے بال بچے تمہارے قدموں پر فدا کریں گے، تم پر قربان ہو کر مر جائیں گے اللہ اس زندگی کا برا ہو جو تمہارے بعد ہو۔''

خوشا عالی کہ گردم گردِ کویت

رخے پرخوں گریباں پارہ پارہ

(کتنی بلند قسمت ہے کہ میں تیری گلی میں گھوم رہا ہوں اور میرا چہرہ خون آلود ہے اور گریبان چاک ہے)

مسلم بن عوسجہ اسدی نے عرض کی'' کیا ہم حضور کو چھوڑ کر چلے جائیں حالانکہ ابھی ہم نے حضور کا کچھ حق ادا کر کے اللہ تعالیٰ کے سامنے معذرت کی جگہ پیدا نہ کی، خدا کی قسم! میں آپ کا ساتھ نہ چھوڑوں گا، یہاں تک کہ اپنا نیزہ دشمنوں کے سینوں میں توڑ دوں اور جب تک تلوار میرے ہاتھ میں رہے، وار کئے جاؤں، خدا گواہ ہے اگر میرے پاس ہتھیار بھی نہ ہوتے تو میں پتھر مارتا، یہاں تک کہ آپ کے ساتھ مارا جاتا'' اسی طرح اور سب ساتھیوں نے بھی گزارش کی۔ اللہ عزوجل ان سب کو جزائے خیر دے اور جنت الفردوس میں امامِ عالی مقام رضی اللہ عنہ کا

ساتھ اوران کے جدِ کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا سایہ عطا فرمائے اور دنیا و آخرت قبر و حشر میں ہمیں ان کے برکات سے بہرہ مندی بخشے۔ آمین آمین یا ارحم الراحمین۔

اسی رات میں امام نے کچھ ایسے شعر پڑھے جن کا مضمون حسرت و بے کسی کی تصویر آنکھوں کے سامنے کھینچ دے، زمانہ صبح و شام خدا جانے کتنے دوستوں اور عزیزوں کو قتل کرتا ہے اور جسے قتل کرنا چاہتا ہے اس کے بدلے میں دوسرے پر راضی نہیں ہوتا۔ ہونے والے واقعے کی خبر دینے والی دل خراش آواز حضرت زینب ﷞ کے کان میں پہنچی، صبر نہ ہو سکا بے تاب ہو کر چلاتی ہوئی دوڑیں، ''کاش! اس دن سے پہلے موت آگئی ہوتی، آج میری ماں فاطمہ کا انتقال ہوتا ہے، آج میرے باپ علی ﷞ دنیا سے گزرتے ہیں، آج میرے بھائی حسن ﷞ کا جنازہ نکلتا ہے، اے حسین! اے گزرے ہوؤں کی نشانی اور پسماندوں کی جائے پناہ! پھر غش کھا کر گر پڑیں۔

اللہ اکبر! آج مالک کوثر کے گھر اتنا پانی بھی نہیں کہ بے ہوش بہن کے منہ پر چھڑکا جائے۔ جب ہوش آیا تو فرمایا ''اے بہن! اللہ سے ڈرو اور صبر کرو، جان لو سب زمین والوں کو مرنا اور سب آسمان والوں کو گزرنا ہے، اللہ تعالیٰ کے سوا سب کو فنا ہے، میرے باپ، میری ماں، میرے بھائی مجھ سے بہتر تھے۔ ہر مسلمان کو رسول اللہ ﷺ کی راہ چلنی چاہیے۔''

اب قیامت قائم ہوتی ہے:

بہاروں پر ہیں آج آرائش گلزار جنت کی
سواری آنے والی ہے شہیدانِ محبت کی
کھلے ہیں گل بہاروں پر ہے پھلواری جراحت کی
فضا ہر زخم کے دامن سے وابستہ ہے جنت کی
گلا کٹوا کے بیڑی کاٹنے آئے ہیں اُمت کی
کوئی تقدیر تو دیکھے اسیرانِ اُمت کی
شہیدِ ناز کی تفریح زخموں سے نہ کیوں کر ہو
ہوائیں آتی ہیں ان کھڑکیوں سے باغ جنت کی
کرم والوں نے در کھولا تو رحمت کا سماں باندھا
کمر باندھی تو قسمت کھول دی فصلِ شہادت کی
علی کے پیارے خاتونِ قیامت کے جگر پارے
زمیں سے آسماں تک دھوم ہے ان کی سیادت کی
زمینِ کربلا پر آج مجمع ہے حسینوں کا
جمی ہے انجمن روشن ہیں شمعیں نور و ظلمت کی
یہ وہ شمعیں نہیں جو پھونک دیں اپنے فدائی کو
یہ وہ شمعیں نہیں رو کر جو کاٹیں رات آفت کی
یہ وہ شمعیں ہیں جن سے جان تازہ پائیں پروانے
یہ وہ شمعیں ہیں جو ہنس کر گزاریں شب مصیبت کی
یہ وہ شمعیں نہیں جن سے فقط اک گھر منور ہو
یہ وہ شمعیں ہیں جن سے روح ہو کافور ظلمت کی
دل حور و ملائک رہ گیا حیرت زدہ ہو کر
کہ بزمِ گل رخاں میں لے بلائیں کس کی صورت کی
جدا ہوتی ہیں جانیں جسم سے جاناں سے ملتے ہیں
ہوئی ہے کربلا میں گرم مجلس وصل و فرقت کی
اسی منظر پہ ہر جانب سے لاکھوں کی نگاہیں ہیں

اسی عالم کو آنکھیں تک رہی ہیں ساری خلقت کی
ہوا چھڑکاؤ پانی کی جگہ اشکِ یتیماں سے
بجائے فرش آنکھیں بچھ گئیں اہلِ بصیرت کی
ہوائے یار نے پنکھے بنائے پر فرشتوں کے
سبیلیں رکھی ہیں دیدار نے خود اپنے شربت کی
ادھر افلاک سے لائے فرشتے ہار رحمت کے
ادھر ساغر لئے حوریں چلی آتی ہیں جنت کی
سجے ہیں زخمِ پھولوں سے وہ رنگین گلدستے
بہارِ خوشنمائی پر ہے صدقے روح جنت کی
ہوائیں گلشنِ فردوس سے بس بس کر آتی ہیں
نرالی عطر میں ڈوبی ہوئی ہیں روح نکہت کی
دل پر سوز کے سلگے اگر سوز ایسی کثرت سے
کہ پہنچی عرش و طیبہ تک لپٹ سوزِ محبت کی
ادھر چلمن اٹھی حسنِ ازل کے پاک جلووں سے
ادھر چمکی تجلی بدرِ تابانِ رسالت کی
زمین کربلا پر آج ایسا حشر برپا ہے
کہ کھچ کھچ کر مٹی جاتی ہے تصویریں قیامت کی
گھٹائیں مصطفیٰ کے چاند پر گھر کر آئی ہیں
سیہ کارانِ اُمت تیرہ بختانِ شقاوت کی
یہ کس کے خون کے پیاسے ہیں اس کے خون کے پیاسے
بجھے گی پیاس جس سے تشنہ کامانِ قیامت کی
اکیلے پر ہزاروں کے ہزاروں وار چلتے ہیں
مٹا دی دین کے ہمراہ عزت شرم و غیرت کی
مگر شیرِ خدا کا شیر جب بپھرا کر غضب آیا
پرے ٹوٹے نظر آنے لگی صورت ہزیمت کی
کہا یہ بوسہ دے کر ہاتھ پر جوشِ دلیری نے
بہادر آج سے کھائیں گے قسمیں اس شجاعت کی
تصدق ہو گئی جانِ شجاعت سچے تیور کی
فدا شیرانہ حملوں کی ادا پر روح ، جرأت کی
نہ ہوتے گر حسین ابنِ علی اس پیاس کے بھوکے
نکل آتی زمینِ کربلا سے نہر جنت کی
مگر مقصود تھا پیاسا ہی گلا ان کو کٹوانا
کہ خواہش پیاس سے بڑھتی ہے رویت کے شربت کی
شہید ناز رکھ دیتا ہے گردن آبِ خنجر پر
جو موجیں باڑھ پہ آ جاتی ہیں دریائے الفت کی
یہ وقت زخم نکلا خوں اچھل کر جسمِ اطہر سے

کہ روشن ہو گئی مشعل شبستانِ محبت کی
سر بے تن تنِ آسانی کو شہر طیبہ میں پہنچا
تنِ بے سر کو سرداری ملی ملکِ شہادت کی
حسن سنی ہے پھر افراط و تفریط اس سے کیوں کر ہو
ادب کے ساتھ رہتی ہے روش ارباب سنت کی

دس محرم الحرام اور خاندانِ رسالت ﷺ پر ظلم وستم کا آغاز:

روزِ عاشورہ کی صبح جا نگداز آئی اور جمعے کی سحر محشر زا منہ دکھاتی ہے۔ امام عرش مقام رضی اللہ عنہ خیمہ اطہر سے برآمد ہو کر اپنے بہتر (72) ساتھیوں اور بتیس (32) سواروں، چالیس (40) پیادوں کا لشکر ترتیب دے رہے ہیں۔ داہنے بازو پر زہیر بن قین، بائیں پر حبیب بن مظہر سردار بنائے گئے ہیں اور حکم دیا گیا ہے، خندق کی لکڑیوں میں آگ دے دی جائے دشمن ادھر سے راہ نہ پائیں۔ اس انتظام کے بعد امام جنت مقام تہیہ شہادت کے واسطے پاکی لینے تشریف لے گئے۔ عبدالرحمٰن بن عبدربہ، یزید بن حصین ہمدانی خیمے کے دروازے پر منتظر ہیں کہ بعد فراغ امام خود بھی یہ سنت ادا کریں ابن حصین نے عبدالرحمٰن سے کچھ ہنسی کی بات کہی، وہ بولے "یہ ہنسی کا کیا موقع ہے؟" خدا گواہ ہے میری قوم بھر کو معلوم ہے کہ جوانی میں بھی کبھی میری ہنسی کی عادت نہ تھی، اس وقت میں اس چیز کے سبب سے خوش ہو رہا ہوں جو ابھی ملا چاہتی ہے۔ "تم اس لشکر کو دیکھتے ہو جو ہمارے مقابلہ کے لئے تلا کھڑا ہے، خدا کی قسم! ہم میں اور حوروں کی ملاقات میں اتنی ہی دیر باقی ہے کہ یہ تلواریں لے کر ہم پر جھک پڑیں" امام جنت مقام باہر تشریف لائے اور ناقہ پر سوار ہو کر اتمام حجت کے لئے لشکر اشقیا کی طرف تشریف لے گئے، قریب پہنچ کر فرمایا "لوگو! میری بات غور سے سنو اور جلدی نہ کرو اگر تم انصاف کرو سعادت پاؤ ورنہ اپنے ساتھیوں کو جمع کر لو اور جو کرنا ہے کر گزرو، میں مہلت نہیں چاہتا، میرا اللہ جس نے قرآن اتارا اور جو نیکوں کو دوست رکھتا ہے، میرا کارساز ہے۔"

امام کی یہ آواز ان کی بہنوں کے کانوں تک پہنچی بے اختیار ہو کر رونے لگیں امام نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ اور امام زین العابدین رضی اللہ عنہ کو خاموش کرنے کے لئے بھیج کر فرمایا "خدا کی قسم انہیں بہت رونا ہے" پھر اشقیا کی طرف متوجہ ہو کر فرمانے لگے "ذرا میرا نسب تو بیان کرو اور سوچو تو میں کون ہوں؟۔۔۔۔اپنے گریبان میں منہ ڈالو، کیا میرا قتل تمہیں روا ہو سکتا ہے؟۔۔۔کیا میری بے حرمتی تم کو حلال ہو سکتی ہے؟۔۔۔کیا میں تمہارے نبی ﷺ کا نواسہ نہیں؟۔۔۔کیا تم نے نہیں سنا کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے اور میرے بھائی کو فرمایا، تم دونوں جوانانِ جنت کے سردار ہو؟۔۔۔کیا اتنی بات تمہیں میری خون ریزی سے روکنے کے لئے کافی نہیں؟۔۔۔۔"

شمر مردک نے کہا، "ہم نہیں جانتے کہ تم کیا کہہ رہے ہو" حبیب بن مظہر نے فرمایا "اللہ عزوجل نے تیرے دل پر مہر کر دی تو کچھ نہیں جانتا" پھر امام مظلوم نے فرمایا "خدا کی قسم میرے سوا روئے زمین پر کسی نبی کا کوئی نواسہ باقی نہیں۔ بتاؤ تو میں نے تمہارا کوئی آدمی مارا؟۔۔۔یا مال لوٹا یا کسی کو زخمی کیا؟۔۔۔آخر مجھ سے کس بات کا بدلہ چاہتے ہو؟۔۔۔کوئی جواب دہ نہ ہوا، تو نام لے کر فرمایا "اے شیث بن ربعی! اے حجاز بن الجبر! اے قیس بن اشعث! اے زید بن حارث! کیا تم نے مجھے خطوط نہ لکھے؟" وہ خبیث صاف مکر گئے۔ فرمایا "ضرور لکھے" پھر ارشاد ہوا "اے لوگو! اگر تم مجھے ناپسند رکھتے ہو تو واپس جانے دو" اس پر بھی کوئی راضی نہ ہوا۔ پھر فرمایا "میں اپنے اور تمہارے رب کی پناہ مانگتا ہوں۔ اس امر سے کہ مجھے سنگسار کرو اور پناہ مانگتا اس مغرور سے جو قیامت کے دن ایمان نہ لائے" یہ فرما کر ناقہ شریف سے نیچے اتر آئے۔

زہیر بن قین ہتھیار لگائے گھوڑے پر سوار آگے بڑھے اور کہنے لگے "اے اہل کوفہ! عذاب الٰہی جلد آتا ہے۔ مسلمان کا مسلمان پر حق ہے کہ نصیحت کرے، ہم تم ابھی دینی بھائی ہیں، جب تلوار اٹھے گی تم الگ گروہ ہو گے، ہم الگ۔ ہمیں تمہیں اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کی اولاد کے بارے میں آزمایا ہے کہ ہم تم ان کے ساتھ کیا معاملہ کرتے ہیں۔ میں تمہیں امام حسین رضی اللہ عنہ کی مدد کے لئے بلاتا اور سرکش ابن سرکش ابن زیاد کی اطاعت سے روکنا چاہتا ہوں، تم اس کے ظلم وستم کے سوا کچھ نہ دیکھو گے۔"

کوفیوں نے کہا "جب تک تمہیں اور تمہارے سردار کو قتل نہ کر لیں یا مطیع بنا کر ابن زیاد کے پاس نہ بھیج دیں ہم یہاں سے نہ ٹلیں گے۔"

زہیر نے فرمایا "خدا کی قسم! فاطمہ کے بیٹے سمیہ کے بیٹے سے زیادہ مستحق محبت و نصرت ہیں، اگر تم ان کی مدد نہ کرو تو ان کے قتل کے بھی درپے نہ ہو۔"

اس پر شمر مردود نے ایک تیر مار کر کہا "چپ! بہت دیر تک تو نے ہمارا سر کھایا ہے۔"

زہیر نے فرمایا "او ایڑیوں پر موتنے والے گنوار کے بچے! میں تجھ سے بات نہیں کرتا، تو نرا جانور ہے، میرے خیال میں تجھے قرآن کی

دو آیتیں بھی نہیں آتیں، تجھے قیامت کے دن دردناک عذاب اور رسوائی کا مژدہ ہو۔"

شمر بولا "کوئی گھڑی جاتی ہے کہ تو اور تیرا سردار قتل کیا جاتا ہے"

فرمایا "کیا مجھے تو موت سے ڈراتا ہے؟ خدا کی قسم ان کے قدموں پر مرنا تم لوگوں کے ساتھ ہمیشہ جینے سے پسند ہے" پھر بلند آواز سے کہنے لگے "اے لوگو! یہ بے ادب اجڈ فریب دیتا اور دینِ حق سے بے خبر رکھنا چاہتا ہے، جو لوگ اہل بیت یا ان کے ساتھیوں کو قتل کریں گے، خدا کی قسم! محمد ﷺ کی شفاعت انہیں ہرگز نہ پہنچے گی۔" امام عالی مقام نے واپس بلایا۔

اب شقی ابن سعد نے اپنے ناپاک لشکر کو امامِ مظلوم کی طرف حرکت دی۔ حر نے کہا "تجھے اللہ کی مار، کیا تو ان سے لڑے گا؟" کہا "ہاں! لڑوں گا اور ایسی لڑائی لڑوں گا، جس کا ادنیٰ درجہ سروں کا اڑنا اور ہاتھوں کا گرنا ہے" کہا "وہ تین باتیں جو انہوں نے پیش کی تھیں تجھے منظور نہیں؟" کہا "میرا اختیار ہوتا تو مان لیتا۔"

حضرت حر کی امام عالی مقام سے معذرت:

حر مجبوراً لشکر کے ساتھ امام کی طرف بڑھے مگر یوں کہ بدن کانپ رہا ہے اور پہلو میں دل پھڑکنے کی آواز بغل والے سن رہے ہیں، یہ حالت دیکھ کر ان کے ہم قوم نے کہا "تمہارا یہ کام شبہ میں ڈالتا ہے، میں نے کسی لڑائی میں تمہاری یہ کیفیت نہ دیکھی تھی، مجھ سے اگر کوئی پوچھتا کہ تمام اہلِ کوفہ میں بہادر کون ہے؟ تو میں تمہارا ہی نام لیتا ہوں؟" بولے "میں سوچتا ہوں کہ ایک جانب جنت کے خوش رنگ پھول کھلے ہیں اور ایک جانب جہنم کے بھڑکتے ہوئے شعلے بلند ہو رہے ہیں اور میں اگر پرزے پرزے کر کے جلا دیا جاؤں تو جنت چھوڑنا گوارا نہ کروں گا"۔ یہ کہہ کر گھوڑے کو ایڑی دی اور امام عالی مقام کی خدمت میں حاضر ہو گئے۔ پھر عرض کی "اللہ مجھے حضور پر قربان کرے، میں حضور کا وہی ساتھی ہوں جس نے حضور کو واپس جانے سے روکا، جس نے حضور کو حراست میں لیا، خدا کی قسم مجھے گمان نہ تھا کہ یہ بدبخت لوگ حضور کا ارشاد قبول نہ کریں گے اور یہاں تک نوبت پہنچائیں گے میں اپنے جی میں کہتا تھا خیر بعض باتیں ان کی کہی کر لوں کہ وہ یہ نہ سمجھیں کہ یہ ہماری اطاعت سے نکل گیا اور انجام کار تو وہ حضور کا ارشاد کچھ نہ کچھ مان ہی لیں گے اور خدا کی قسم! مجھے یہ گمان ہوتا کہ یہ کچھ نہ مانیں گے تو مجھ سے اتنا بھی ہرگز واقع نہ ہوتا، اب میں تائب ہو کر حاضر آیا ہوں اور اپنی جان حضور پر قربان کرنی چاہتا ہوں، کیا میری توبہ حضور کے نزدیک قبول ہو جائے گی؟" فرمایا "ہاں! اللہ عزوجل توبہ قبول کرنے والا اور گناہ بخش دینے والا ہے۔"

حر، یہ مژدہ سن کر اپنی قوم کی طرف پلٹے اور فرمانے لگے کیا وہ باتیں جو امام نے پیش کی تھیں" "تمہیں منظور نہیں؟" ابن سعد نے کہا "ان کا ماننا میری قدرت سے باہر ہے" فرمایا "اے کوفیو! تمہاری مائیں بے اولاد ہوں۔۔۔ تمہاری ماؤں کو تمہارا رونا نصیب ہو۔۔۔ کیا تم نے امام کو دشمنوں کے ہاتھ دے دینے کے لئے بلایا تھا؟۔۔۔ کیا تم نے وعدہ نہ کیا تھا کہ اپنی جانیں ان پر نثار کر دو گے؟۔۔۔ اور اب تم ہی ان کے قتل پر آمادہ ہو؟ یہ بھی منظور نہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کے کسی شہر میں چلے جائیں جہاں وہ اور ان کے بال بچے امان پائیں۔۔۔ تم نے انہیں قیدی بے دست و پا بنا رکھا ہے۔۔۔ فرات کا بہتا پانی جسے خدا کے دشمن پی رہے ہیں اور گاؤں کے کتے سور جس میں لوٹ رہے ہیں۔۔۔ حسین اور ان کے بچوں پر بند کیا گیا ہے۔۔۔ پیاس کی تکلیف نے انہیں زمین سے لگا دیا ہے۔۔۔ تم نے کیا بُرا معاملہ کیا ذریتِ محمد ﷺ سے۔۔۔ اگر تم توبہ کرو اور اپنی حرکتوں سے باز نہ آؤ تو اللہ تمہیں قیامت کے دن پیاسا رکھے"۔

مقابلے کا باقاعدہ آغاز:

اس کے جواب میں ان خبیثوں نے حضرت حر پر تیر پھینکنے شروع کیے، یہ واپس ہو کر امام کے آگے کھڑے ہو گئے، لشکر اشقیا سے زیاد کا غلام یسار اور ابن زیاد کا غلام سالم میدان میں آئے اور اپنے مقابلہ کے لئے میدان طلب کرنے لگے۔ حضرت عبداللہ ابن عمیر کلبی سامنے آئے، دونوں بولے ہم تمہیں نہیں جانتے، زہیر بن قین یا حبیب بن مظہر یا بریر بن خضیر کو ہمارے مقابلے کے لئے بھیجو۔ حضرت عبداللہ نے یسار سے فرمایا "او بدکار عورت کے بچے تو مجھ سے لڑے گا؟ تیری لڑائی کے لئے بڑے بڑے چاہئیں"۔ یہ فرما کر ایک ہاتھ مارا وہ قتل ہوا، سالم نے آپ پر وار کیا، بائیں ہاتھ سے روکا، انگلیاں اڑ گئیں، داہنے سے وار کیا، وہ بھی مارا گیا۔

یہ عبداللہ کوفے سے امام کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے اور ان کی بی بی ام وہب ان کے ساتھ تھیں۔ وہ خیمے کی چوب لے کر جہاد کے لئے چلیں اور اپنے شوہر سے کہا "میرے ماں باپ تیرے پر قربان! قتال کر ان ستھرے، پاکیزہ نبی زادوں کے لئے" کہا تم عورتوں میں جاؤ" نہ مانا اور کہا "تمہارے ساتھ مروں گی" آخر حضرت امام نے آواز دی کہ "اے بی بی! اللہ تجھ پر رحمت کرے، پلٹ آ کہ جہاد عورتوں پر فرض نہیں۔"

واپس آ گئیں۔ پھر ابن سعد کے میمنہ سے عمرو بن الحجاج اپنے سوار لے کر آگے بڑھا، امام کے ساتھیوں نے گھٹنوں کے بل جھک کر نیزے سامنے

کیے، گھوڑے نیزوں کی سنانوں پر نہ بڑھ سکے، پیچھے پلٹے تو ادھر سے تیر چلائے گئے۔ وہ کتنے ہی زخمی ہوئے، کتنے ہی مارے گئے۔

ایک مردک ابن خوزہ نے پوچھا ”کیا تم حسین ہو؟ کسی نے جواب نہ دیا، تین بار پوچھا، لوگوں نے کہا، ”تیرا کیا کام ہے؟“ بولا ”اے حسین! تمہیں آگ کی بشارت ہو۔“ فرمایا ”تو جھوٹا ہے، میں اپنے مہربان رب کے پاس جاؤں گا“ پھر اس کا نام پوچھا۔ کہا ابن حوزہ۔ دعا فرمائی اللھم حزہ الی النار الٰہی اسے آگ کی طرف سمیٹ“ یہ سن کر مردود غضب ناک ہوا، حضور کی طرف گھوڑا اچکایا، قدرت خدا کہ گھوڑا بھڑکا اور یہ پھسلا، ایک پاؤں رکاب میں الجھ کر رہ گیا، اب گھوڑا اچلا آتا ہے، یہاں تک کہ اس مردود کی ران اور پنڈلی ٹوٹی، سر پتھروں سے ٹکرا ٹکرا کر پاش پاش ہو گیا، آخر اسی حال میں واصلِ جہنم ہوا۔

مشروق بن وائل خضرمی، امامِ مظلوم کے سرِ مبارک لینے کی تمنا میں آیا تھا، ابن حوزہ مردود کا حال دیکھ کر کہنے لگا، خدا کی قسم میں تو اہل بیت سے کبھی نہ لڑوں گا، پھر یزید بن معقل، حضرت بریر سے کہنے لگا، ”خدا نے تمہارے ساتھ کیا کیا؟“ فرمایا ”اچھا کیا“ کہا ”تم نے جھوٹ کہا اور میں تم کو آج سے پہلے جھوٹا نہ جانتا تھا، میں گواہی دیتا ہوں کہ گمراہ ہو۔“ فرمایا ”تو آؤ ہم تم مباہلہ کر لیں کہ اللہ جھوٹے پر لعنت کرے اور جھوٹا سچے کے ہاتھوں سے قتل ہو۔“ وہ راضی ہو گیا، مباہلہ کے بعد ابن معقل نے تلوار چھوڑی، خالی گئی، حضرت بریر نے وار کیا، خود کاٹتا ہوا بھیجا چاٹ گیا۔ یہ دیکھ کر رضی بن منقذ عبدی دوڑا اور حضرت بریر سے لپٹ گیا، کشتی ہونے لگی، حضرت بریر نے دے مارا اور سینے پر چڑھ بیٹھے، پیچھے سے کعب بن جابر ازدی نے نیزہ مارا کہ پشت میں غائب ہو گیا، نیزہ کھا کر رضی کے سینے سے اترے اور مردک کی ناک دانتوں سے کاٹ لی کعب نے تلوار ماری کہ شہید ہوئے، جب کعب پلٹا، اس کی عورت نے کہا ”میں تجھ سے کبھی بات نہیں کروں گی، تو نے فاطمہ کے بیٹے کے ہوتے دشمن کو مدد دی اور عالموں کے سردار بریر کو شہید کیا۔“

پھر امام کی جانب سے عمر بن قرظہ انصاری نکلے اور سخت لڑائی کے بعد شہید ہوئے۔ حضرتِ حر نے قتال شہید کیا۔ یزید بن سفیان ان کے سامنے آیا، انہوں نے اسے قتل فرمایا، نافع بن ہلال مرادی میدان میں آئے، مزاحم بن حرث ان کا مزاحم ہوا۔ مراوی بامراد نے اس نامردنا مراد کو قتل کیا، یہ حالت دیکھ کر عمرو الحجاج چلایا، ”اے لوگو! تم جانتے ہو کن سے لڑ رہے ہو؟ تمہارے سامنے وہ بہادر لوگ ہیں جنہیں مرنے کا شوق ہے، ایک ایک ان سے میدان نہ کرو، وہ بہت کم ہیں، خدا کی قسم! تم سب مل کر پتھر مارو گے تو قتل کر لو گے۔“

ابن سعد نے یہ رائے پسند کر کے لوگوں کو تنہا میدان لگانے سے روک دیا، پھر عمر بن الحجاج نے فرات کی طرف سے حملہ کیا۔ اس حملے میں مسلم بن عوسجہ اسدی نے شہادت پائی۔ عمر پلٹ گیا، ان میں ابھی رمق باقی تھی، حبیب بن مطہر نے کہا، ”تمہیں جنت کا مژدہ ہو، تمہارا گرنا مجھ پر شاق ہوا، میں بھی عنقریب تم سے ملنا چاہتا ہوں، ”مجھے کوئی وصیت کرو کہ اس پر عمل کروں“ مسلم نے امام کی طرف اشارہ کر کے فرمایا ”ان پر قربان ہو جانا“ حبیب نے کہا ایسا ہی ہوگا۔ پھر خبیث ابن سعد نے پانچ سو تیر انداز ابن نمیر کے ساتھ جماعتِ امام پر بھیجے۔ اب تین دن کے پیاسوں پر تیروں کا مینہ برسنا شروع ہو گیا، امام کے ساتھی گھوڑوں سے اتر کر پیادہ ہو گئے اور یہ پیادہ ہونا اس مصلحت سے تھا کہ اس ناگہانی بلا سے کہ ایک ساتھ پانچ سو تیر چٹکیوں سے نکل رہا ہے، گھبرا کر پاؤں نہ اکھڑ جائیں، مارنا مرنا جو کچھ ہونا ہے یہیں ہو جائے۔ امام کو چھوڑ کر بھاگنے اور پیٹھ دکھانے کی راہ نہ رہے۔ حضرت حر سخت لڑائی لڑے، یہاں تک کہ دوپہر ہو گئی، ان پانچ سو نے ان تیس ساتھیوں پر کچھ قدرت نہ پائی۔

جب شقی ابن سعد نے یہ حال دیکھا کہ سامنے سے جانے کی طاقت نہیں، اس میدان کے داہنے بائیں کچھ مکان واقع تھے، ان میں لوگ بھیجے کہ جماعتِ امام پر داہنے بائیں سے بھی حملہ ہو سکے۔ امام کے تین چار ساتھی پہلے ہی بیٹھ رہے جو کودا، مار لیا۔ ابن سعد نے جل کر کہا کہ ”مکانات میں آگ لگا دی جائے“ امام نے فرمایا ”جلا لینے دو، جب آگ لگ جائے گی تو ادھر سے حملہ کا اندیشہ نہ رہے گا۔“

شمر مردود حملہ کر کے خیمہ اطہر کے قریب پہنچا اور جنت والوں کا خیمہ پھونکنے کو جہنمی نے آگ مانگی۔ اس کے ساتھی حمید بن مسلم نے کہا کہ ”خیمے کو آگ لگا کر عورتوں، بچوں کو قتل کرنا ہرگز مناسب نہیں،“ اس دوزخی نے نہ مانا۔ شیث بن ربعی کوفی نے کہ اس ناپاک لشکر کے سرداروں میں سے تھا، اس ناری کو آگ لگانے سے باز رکھا۔ اس عرصے میں حضرت زہیر بن قیس دس صاحبوں کے ساتھ شمر مردود پر ایسی سختی سے حملہ آور ہوئے کہ ان بدبختوں کو بھاگتے اور پیٹھ دکھاتے ہی بن پڑی۔ اس حملے میں ابو عزہ مارا گیا۔ دشمنوں نے جمع ہو کر ان گیارہ پر ہجوم کیا۔ ان میں سے جتنے مارے جاتے کثرت کی وجہ سے معلوم بھی نہ ہوتے اور ان کا ایک بھی شہید ہو جاتا تو سب پر ظاہر ہو جاتا۔ اسی عرصہ میں نمازِ ظہر کا وقت آ گیا۔ حضرت ابو ثمامہ صمائدی نے امام سے عرض کی ”میری جان حضور پر قربان میں دیکھتا ہوں کہ اب دشمن پاس آ گئے، خدا کی قسم جب تک میں اپنی جان حضور پر نثار نہ کر لوں، حضور شہید نہیں ہوں گے، مگر آرزو یہ ہے کہ ظہر پڑھ کر اللہ تعالیٰ سے ملوں۔“ امام نے فرمایا ”ہاں! یہ وقت اول ہے، ان سے کہو اس قدر مہلت دیں کہ ہم نماز پڑھ لیں۔“ امام کی کرامت کہ یہ بات ان بے دینوں نے قبول کر لی۔

ابن نمیر مردک نے کہا ''یہ نماز قبول نہیں ہوگی'' حضرت حبیب بن مظہر نے فرمایا، ''آلِ رسول کی نماز قبول نہ ہوگی اور اے گدھے تیری قبول ہوگی؟'' اس نے ان پر وار کیا، انہوں نے خالی دے کر تلوار ماری، گھوڑے پر پڑی، گھوڑا گرا اور اس کے ساتھ وہ مردود بھی زمین پر آیا، اس کے ہمراہی جلدی کر کے اسے اٹھا لے گئے۔ پھر انہوں نے قتال شدید کیا۔ بنی تمیم سے بدیل بن صریم کو قتل فرمایا، دوسرے تمیمی نے ان کے نیزہ مارا، اٹھنا چاہتے تھے کہ ابن نمیر خبیث نے تلوار چھوڑی، شہید ہوگئے، رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، ان کی شہادت کا امام کو سخت صدمہ ہوا۔

اب حضرت حر اور زہیر بن قین نے یہ شروع کیا کہ ایک ان خبیثوں پر حملہ فرماتے، جب وہ اس ہر بونگ میں گھر جاتے، دوسرے لڑ بھڑ کر چھٹا لاتے، جب یہ گھر کر غائب ہو جاتے، وہ پہلے حملہ کرتے اور بچا لاتے۔ دیر تک یہی حالت رہی پھر پیادوں کا لشکر حضرت حر پر ٹوٹ پڑا اور انہیں شہید کیا۔

روضۃ الشہدا میں ہے جب حر زخمی ہو کر گرے امام کو آواز دی، حضرت بے قرار ہو کر تشریف لے گئے اور سخت جنگ فرما کر اٹھا لائے، زمین پر لٹا دیا اور ان کا سر اپنے زانو پر رکھ کر پیشانی اور رخساروں کی گرد، دامن سے پونچھنے لگے۔ حر نے آنکھ کھولی اور اپنا سر امام کے زانو پر پا کر مسکرائے اور عرض کی ''حضور! اب تو مجھ سے خوش ہوئے؟'' فرمایا ''ہم راضی ہیں، اللہ بھی تم سے راضی ہوا'' حر نے یہ مژدہ جانفزا سن کر امام پر نقد جان نثار کی اور بہشت بریں کی راہ لی۔

آرزو یہ ہے کہ نکلے دم تمہارے سامنے
تم ہمارے سامنے ہو ہم تمہارے سامنے
سلائے قصہ خواں فرقت کی شب سو یہ کہانی ہے
تیرے زانو ہی کے تکیے پہ نیند مجھ کو آنی ہے

حر کی شہادت کے بعد سخت لڑائی شروع ہوئی۔ دشمن کٹتے جاتے اور آگے بڑھتے جاتے، کثرت کی وجہ سے کچھ خیال نہ لاتے، یہاں تک کہ امام کے قریب پہنچ گئے اور تشنہ کاموں پر تیروں کا مینہ برسانا شروع کر دیا، یہ حالت دیکھ کر حضرت حنفی نے امام کو اپنی پیٹھ کے پیچھے لے لیا اور اپنے چہرے اور سینے کو امام کی سپر بنا کر کھڑے ہو گئے۔ دشمن کی طرف سے تیر پر تیر آ رہے ہیں اور یہ کامل اطمینان اور پوری خوشی کے ساتھ زخم پر زخم کھا رہے ہیں۔ اس وقت اس شراب محبت کے متوالے نے اپنے معشوق، اپنے دلربا حسین ﷺ کو پیٹھ کے پیچھے لے کر جنگِ احد کا سماں یاد دلا دیا ہے، وہاں بھی ایک عاشق جانباز مسلمانوں کی لڑائی بگڑ جانے پر سید المحبوب ﷺ کے سامنے دشمنوں کے حملوں کی سپر بن کر آ کھڑا ہوا تھا، یہ سعد بن ابی وقاص تھے ﷺ، حضور پر نور انہیں کے پیچھے قیام فرما تھے اور دشمنوں کے دفع کرنے کو ترکش سے تیر عطا فرماتے جاتے اور ہر تیر پر ارشاد ہوتا ''ارم سعد بابی انت و امی'' تیر مار سعد! تجھ پر میرے ماں باپ قربان'' اللہ کی شان، جنگِ احد میں حضرت سعد کی جاں نثاری کی وہ کیفیت کہ رسول اللہ ﷺ کی سپر بن گئے اور دشمنوں کو قریب نہ آنے دیا اور واقعہ کربلا میں ابن سعد کی زیاں کاری کی یہ حالت کہ دشمنوں کو رسول اللہ ﷺ کے بیٹے کے مقابلہ پر لایا ہے۔ بزرگوار باپ کے تیر اسلام کے دشمنوں پر چل رہے تھے، ناہنجار بیٹے کے تیر مسلمانوں کے سردار پر چھوٹ رہے ہیں۔ ع

ببیں تفاوت راہ از کجاست تا بکجا
(تو دیکھ تو اس راہ اور اُس راہ میں کتنا فرق ہے)

غرض حضرت حنفی نے امام کے سامنے یہاں تک تیر کھائے کہ شہید ہو کر گر پڑے رحمۃ اللہ علیہ۔ حضرت زہیر بن قین نے اس طوفان بے تمیزی کے روکنے میں جان توڑ کوشش کی اور سخت لڑائی لڑ کر شہید ہو گئے۔ حضرت نافع بن ہلال نے تیروں پر اپنا نام کندہ کرا کر زہر میں بجھایا تھا۔ ان سے بارہ شقی قتل کئے اور بے شمار زخمی کر ڈالے۔ دشمن ان پر بھی ہجوم کر آئے، دونوں بازو ٹوٹ جانے کے سبب سے مجبور ہو کر گرفتار ہو گئے۔ شمر خبیث انہیں ابن سعد کے پاس لے گیا۔ ہلال کے چاند سا چہرہ خون سے بھرا تھا اور وہ بپھرا ہوا شیر کہہ رہا تھا: ''میں نے تم میں سے بارہ گرائے اور بے گنتی گھائل کئے، اگر میرے ہاتھ نہ ٹوٹتے تو میں گرفتار نہ ہوتا'' شمر نے ان پر تلوار کھینچی، فرمایا ''تو مسلمان ہوتا، تو خدا کی قسم! ہمارا خون کر کے خدا سے ملنا پسند نہ کرتا، اس خدا کے لئے تعریف ہے جس نے ہماری موت بدتر ان خلق کے ہاتھ پر رکھی'' شمر نے شہید کر دیا پھر باقی مسلمانوں پر حملہ آور ہوا امام کے ساتھیوں نے دیکھا کہ اب ان میں امام کی حفاظت کرنے کی طاقت نہ رہی، شہید ہونے میں جلدی کرنے لگے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ ہمارے جیتے جی امام عرش مقام کو کوئی صدمہ پہنچے۔ حضرت عبداللہ و عبدالرحمٰن پسران عروہ غفاری اجازت لے کر آگے بڑھے اور لڑائی میں مشغول ہو کر شہید ہو گئے۔

سیف بن حارث اور مالک بن عبد کہ دونوں ایک ماں کے بیٹے اور باپ کی طرف سے چچازاد تھے، حاضر خدمت ہو کر رونے لگے۔ امام نے فرمایا ”کیوں روتے ہو؟ کچھ دیر ہی باقی ہے کہ اللہ تمہاری آنکھیں ٹھنڈی کرتا ہے“ عرض کی ”واللہ! ہم اپنے لئے نہیں روتے بلکہ حضور کے واسطے روتے ہیں کہ اب ہم میں حضور کی محافظت کی طاقت نہ رہی۔“ فرمایا ”اللہ تمہیں جزائے خیر دے“ بالآخر یہ دونوں بھی رخصت ہو کر بڑھے اور شہید ہو گئے۔

حنظلہ بن اسعد نے امام کے سامنے قرآن مجید کی کچھ آیات پڑھیں اور کوفیوں کو عذاب سے ڈرایا مگر وہاں ایسی کون سنتا تھا، یہ بھی سلام لے کر گئے اور دادِ شجاعت دے کر شہید ہو گئے۔ شوذب بن شاکر، رخصت پا کر بڑھے اور شہادت پا کر دار السلام پہنچے۔ حضرت عابس اجازت لے کر چلے اور مبارز مانگا ان کی مشہور بہادری کے خوف سے کوئی سامنے نہ آیا۔ ابن سعد نے کہا ”انہیں پتھروں سے مارو“ چاروں طرف سے پتھروں کی بوچھاڑ شروع ہو گئی۔ جب انہوں نے ان نامرادوں کی یہ حرکت دیکھی، طیش میں بھر کر زرہ اتار، خود پھینک، حملہ آور ہوئے، دم کے دم میں سب کو بھگا دیا۔ دشمن پھر حواس جمع کر کے آئے اور انہیں بھی شہید کیا۔ یزید بن ابی زیاد کندی نے جو کوفے کے لشکر میں تھے اور نار سے نکل کر نور میں آ گئے تھے، دشمنوں پر تیر مارنے شروع کئے، ان کے ہر تیر پر امام نے دعا فرمائی ”الٰہی اس کا تیر خطا نہ ہو اور اسے جنت عطا فرما۔“ سو تیر مارے جن میں پانچ بھی خطا نہ گئے، آخر کار شہید ہوئے۔ اس واقعہ میں سب سے پہلے انہوں نے شہادت پائی اور شہیدانِ کربلا کی ترتیب وار فہرست، انہیں کے نام سے شروع ہوئی ہے، عمر بن خالد مع سعد مولے و جبار بن حارث و مجمع بن عبید اللہ لڑتے لڑتے دشمنوں میں ڈوب گئے۔ اس وقت اشقیا نے سخت حملہ کیا، حضرت عباس رضی اللہ عنہ حملہ فرما کر چھڑا لائے۔ زخموں سے چور تھے اسی حال میں دشمنوں پر ٹوٹ پڑے اور لڑتے لڑتے شہید ہو گئے۔

چمنِ رسالت ﷺ کے مہکتے پھولوں کی شہادت کی ابتداء:

اب امام کے وفادار اور جان نثار سپاہیوں میں چند رشتہ داروں کے سوا کوئی باقی نہ رہا، ان حضرات میں سب سے پہلے جو دشمنوں کے مقابلہ پر تشریف لائے اور امام کے صاحبزادے حضرت علی اکبر ہیں رضی اللہ عنہ شیروں کے حملے مشہور ہیں، پھر یہ شیر تو محمدی کچھار کا شیر ہے۔ اس کے جھنجھلائے ہوئے حملہ سے خدا کی پناہ، دشمنوں کو قہر الٰہی کا نمونہ دکھا دیا، جس نے سر اٹھایا، نیچا دکھا دیا، صف شکن حملوں سے جدھر بڑھے، دشمن کائی کی طرح پھٹ گئے، دیر تک قتال کرتے اور قتل فرماتے رہے، پیاس اور ترقی پکڑ گئی، واپس تشریف لائے اور دم راست فرما کر پھر حملہ آور ہوئے اور دشمنوں کی جان پر وہی قیامت برپا کر دی۔ چند بار ایسا ہی ہوا، یہاں تک کہ مرہ بن منقذ عبدی شقی کا نیزہ لگا اور بدبختوں نے تلواروں پر رکھ لیا۔ جنت علیا میں آرام فرمایا۔ نوجوان بیٹے کی لاش پر امام نے فرمایا ”بیٹے خدا تیرے شہید کرنے والے کو قتل کرے، تیرے بعد دنیا خاک ہے، یہ قوم اللہ عزوجل سے کتنی بے باک اور رسول ﷺ کی بے حرمتی پر کس قدر جری ہے“ پھر نعش مبارک اٹھا کر لے گئے اور خیمہ کے پاس رکھ لی پھر عبد اللہ بن مسلم لڑائی پر گئے اور شہید ہوئے۔

اب اعداء نے چار طرف سے نرغہ کیا۔ اس نرغے میں عون بن عبد اللہ بن حضرت جعفر بن طیار اور عبد الرحمٰن و جعفر، پسرانِ عقیل نے شہادتیں پائیں پھر حضرتِ قاسم، حضرت امام حسن کے صاحبزادے حملہ آور ہوئے اور عمرو بن سعد بن نفیل مردود کی تلوار کھا کر زمین پر گرے، امام کو چچا کہہ کر آواز دی، امام شیر غضبناک کی طرح پہنچے، اور عمرو مردود پر تلوار چھوڑی، اس نے روکی، ہاتھ کہنی سے اڑ گیا۔ وہ چلایا، کوفے کے سوار اس کی مدد کو دوڑے اور گرد و غبار میں اسی کے ناپاک سینے پر گھوڑوں کی ٹاپیں پڑ گئیں۔ جب گرد چھٹی تو دیکھا، امام حضرت کی قاسم کی لاش پر فرما رہے ہیں، ”قاسم! تیرے قاتل رحمتِ الٰہی سے دور رہیں، خدا کی قسم تیرے چچا پر سخت شاق گزرا کہ تو پکارے اور وہ تیری فریاد کو نہ پہنچ سکے“۔ پھر انہیں بھی اپنے سینے پر اٹھا کر لے گئے اور حضرت علی اکبر کے برابر لٹا دیا۔ اسی طرح یکے بعد دیگرے حضرت عباس اور ان کے تینوں بھائی اور امام کے دوسرے صاحبزادے حضرت ابوبکر اور سب بھائی بھتیجے شہید ہو گئے۔ اللہ انہیں اپنی وسیع رحمتوں کے سائے میں جگہ دے اور ہمیں ان کی برکات سے بہرہ مند فرمائے۔

اب امام مظلوم تنہا رہ گئے، خیمے میں تشریف لا کر اپنے چھوٹے صاحبزادے حضرت عبد اللہ کو (جو عوام میں علی اصغر مشہور ہیں)، گود میں اٹھا کر میدان میں لائے، ایک شقی نے تیر مارا کہ گود ہی میں ذبح ہو گئے، امام نے ان کا خون زمین پر گرایا اور دعا کی، الٰہی! ”اگر تو نے آسمانی مدد ہم سے روک لی ہے تو انجام بخیر فرما اور ان ظالموں سے بدلہ لے“۔

پھول کھل کھل کر بہاریں اپنی سب دکھلا گئے
حسرت ان غنچوں پہ جو بے کھلے مرجھا گئے

اللهم صلی علی سیدنا ومولانا محمد والہ واصحبہ اجمعین۔

امام عالی مقام شہید ہوتے ہیں:

حسن وعشق کے باہمی تعلقات سے جو آگاہ ہیں، جانتے ہیں کہ وصلِ دوست جسے چاہنے والے اپنی زبان سے زیادہ عزیز رکھتے ہیں، بغیر مصیبتیں اٹھائے اور بلائیں جھیلے حاصل نہیں ہوتا۔

اے دل بہوس بر سر کارے نرسی
تا غم نہ خوری بغم گسارے نرسی
تا سودہ نہ گردی چاحنا ورتہ سنگ
ہرگز بکف پائے نگارے نرسی

(اے دل! تو اس محبوب کی بارگاہ میں اس وقت تک نہیں پہنچ پائے گا، جب تک تو تکلیف اٹھائے، غمخوار تیرے پاس نہیں پہنچے گا۔ جب تک تو حنا کو پتھر سے رگڑے گا نہیں، وہ محبوب کے ہاتھوں کو رنگین نہ کر پائے گی۔)

دل میں نشتر چبھو کر توڑ دیتے ہیں اور کلیجے میں چھریاں مار کر چھوڑ دیتے ہیں اور پھر تاکید ہوتی ہے کہ اف کی تو عاشقوں کے دفتر سے نام کاٹ دیا جائے گا، غرض پہلے ہر طرح اطمینان کر لیتے اور امتحان فرما لیتے ہیں، چلمن سے ایک جھلک دکھانے کی نوبت آتی ہے۔

خوباں دل وجاں بیتوا مے خواہند
زخمے کہ زنند مرحبا مے خواہند
ایں قوم ایں قوم چشم بد دور ایں قوم
خون می ریزندو خوں بہا می خواہند

(معشوق تو عاشق غریب کی جان کے طالب ہوتے ہیں، زخم لگاتے ہیں اور پھر خوشنودی کے طالب ہوتے ہیں۔ اس قوم، اس قوم، اس قوم سے اللہ کی پناہ، یہ خون بہاتی ہے اور پھر قصاص بھی طلب کرتی ہے۔)

اور یہ امتحان کچھ حسینانِ زمانہ ہی کا دستور نہیں، حسنِ ازل کی دلکش تجلیوں اور دلچسپ جلوؤں کا بھی معمول ہے کہ فرمایا جاتا ہے "ولنبلونکم بشئی من الخوف والجوع و نقص من الاموال والانفس والثمرات" اور ضرور ہم تمہارا امتحان کریں گے، کچھ خوف، کچھ بھوک سے اور مال گھٹا کر اور جانوں اور پھلوں سے۔ (البقرہ ۱۵۵، پ ۲)

جب ان کڑیوں کو جھیل لیا جاتا ہے اور ان تکلیفوں کو برداشت کر لیا جاتا ہے تو پھر کیا پوچھنا؟ سراپردۂ جمال ترسی ہوئی آنکھوں کے سامنے سے اٹھا دیا جاتا اور مدت کے بے قرار دل کو راحت و آرام کا پتلا بنا دیا جاتا ہے۔ اسی بنیاد پر تو میدانِ کربلا میں امام مظلوم کو وطن سے چھڑا کر پردیسی بنا کر لائے ہیں اور آج صبح سے ہمراہیوں اور رفیقوں بلکہ گود کے پالوں کو ایک ایک کر کے جدا کر لیا گیا ہے۔ کلیجے کے ٹکڑے خون میں نہائے، آنکھوں کے سامنے پڑے ہیں، ہری بھری پھلواڑی کے سہانے اور نازک پھول، پتی پتی ہو کر خاک میں ملے ہیں اور کچھ پرواہ نہیں۔ پرواہ ہوتی تو کیوں ہوتی کہ ایک راہ دوست میں گھر لٹانے والے اسی مدینہ سے چلے تھے، جب تو ایک ایک کو بھیج کر قربان کرایا اور جو اپنے پاؤں نہ جا سکتے تھے، ان کو ہاتھوں پر لے کر نذر کر آئے۔ کہاں ہیں وہ ملائکہ جو حضرت انسان کی پیدائش پر چون وچرا کرتے تھے، اپنی جا نمازوں اور تسبیح وتقدیس کے مصلوں سے اٹھ کر آج کربلا کے میدان میں سیر کریں اور "انی اعلم مالا تعلمون" کی شاندار تفصیل حیرت کی آنکھوں سے ملاحظہ فرمائیں۔ اس دل دکھانے والے معرکے میں امتحان بھی کا مقصود تھا، مگر حسین مظلوم کا اصلی اوروں کا طفیلی، اگر ایسا نہ ہوتا تو ممکن تھا کہ دشمنوں کے ہاتھوں سے جو صرف امام ہی کے خون کے پیاسے تھے، پہلے امام کو شہید کرا دیا جاتا۔ اللہ اکبر! اس وقت کس قیامت کا دردناک منظر آنکھوں کے سامنے ہے۔ امامِ مظلوم اپنے گھر والوں سے رخصت ہو رہے ہیں۔۔۔ بیکسی کی حالت۔۔۔ تنہائی کی کیفیت۔۔۔ تین دن کے پیاسے۔۔۔ مقدس جگہ پر سینکڑوں تیر کھائے۔۔۔ ہزاروں دشمنوں کے مقابلہ پر جانے کا سامان فرما رہے ہیں۔۔۔ اہل بیت کی صغیر سن صاحبزادیاں، دنیا میں جن کی ناز برداری کا آخری فیصلہ ان کی شہادت کے ساتھ ہونے والا ہے، بے چین ہو کر رو رہی ہیں۔۔۔ بے کس سیدانیاں۔ یہاں جن کے عیش، جن کے آرام کا خاتمہ ان کی رخصت کے ساتھ خیر باد کہنے والا ہے، سخت بے چینی کے ساتھ اشکبار ہیں اور بعض وہ مقدس صورتیں جن کو بے کسی کی بولتی ہوئی تصویر کہنا ہر طریقے سے درست ہو سکتا ہے۔۔۔ جن کا سہاگ خاک میں ملنے والا اور جن کا ہرا آسرا ان کے مقدس دم کے ساتھ ٹوٹنے والا ہے۔۔۔ روتے روتے بے حال ہو گئی ہیں۔۔۔ ان کے اڑے ہوئے رنگت والے چہرے پر

سکوت اور خاموشی کے ساتھ مسلسل اور لگاتار آنسوؤں کی روانی صورتِ حال دکھا دکھا کر عرض کر رہی ہے:

مے روی و گریہ مے آید مرا
ساعتے بے نشیں کہ باراں بگزرد

(جب تو جاتا ہے تو میری آنکھیں روتی ہیں، جب ایک گھڑی میرے پاس بیٹھتے ہو تو گویا کہ بارش برس رہی ہے)

اس وقت حضرت امام زین العابدین کے دل سے کوئی پوچھے کہ حضور کے ناتواں دل نے آج کیسے کیسے صدمے اٹھائے اور کیسی مصیبت جھیلنے کے سامان ہو رہے ہیں۔ بیماری، پردیسی، بچپن کے ساتھیوں کی جدائی، ساتھ کھیلے ہوؤں کا فراق اور پیارے بھائیوں کے داغ نے دل کا کیا حال کر رکھا ہے؟ اب ضدیں پوری کرنے والا اور ناز اٹھانے والے مہربان باپ کا سایہ بھی سر مبارک سے اٹھنے والا ہے اس پر طرہ یہ کہ ان مصیبتوں، ان ناقابلِ برداشت تکلیفوں میں کوئی بات پوچھنے والا نہیں۔

از پیش من آں رشک چمن میگردد
چوں روح روانیکہ زتن میگردد
حال عجبے روز وداعش دارم
من از سر جان واو زمن میگردد

(میرے سامنے میرا محبوب، جس پر باغ بھی رشک کرتا ہے، جب وہ روح جسم میں رشک کرتی ہے، اس الوداع کے وقت میرا بڑا عجیب حال ہے، میں اس کے لئے جان کی بازی لگا رہا ہوں اور وہ میرے گرد گھوم رہا ہے)

ہائے! کوئی اس وقت ایسا بھی نہیں کہ رکاب تھام کر سوار کرائے یا میدان تک ساتھ جائے۔ ہاں! کچھ بے کس بچوں کی دردناک آوازیں اور بے بس عورتوں کی مایوسی بھری نگاہیں، جو ہر قدم پر امام کے ساتھ ہیں، امام مظلوم کا جو قدم آگے پڑتا ہے، یتیمی، بچوں اور بے کسی، عورتوں کے قریب ہو جاتی ہے۔ امام کے متعلقین، امام کی بہنیں، جنہیں ابھی صبر کی تلقین فرمائی گئی تھی، اپنے زخمی کلیجوں پر صبر کی بھاری سل رکھے ہوئے سکوت کے عالم میں بیٹھی ہیں، مگر ان کے آنسوؤں کا غیر منقطع سلسلہ، ان کے بے کسی چھائے ہوئے چہروں کا اڑا ہوا رنگ، جگر گوشوں کی شہادت، امام کی رخصت، اپنی بے بسی، گھر بھر کی تباہی پر زبانِ حال سے کہہ رہا ہے۔

مجھ کو جنگل میں اکیلا چھوڑ کر
قافلہ سارا روانہ ہو گیا

جگر گوشۂ رسول ﷺ کی پرسوز شہادت:

باغِ جنت کے ہیں بہر مدح خوانِ اہل بیت
تم کو مژدہ نار کا اے دشمنانِ اہل بیت
کس زباں سے ہو بیاں عزوشانِ اہل بیت
مدح گوئے مصطفٰے ہے مدح خوانِ اہل بیت
ان کی پاکی کا خدائے پاک کرتا ہے بیاں
آیۂ تطہیر سے ظاہر ہے شانِ اہل بیت
مصطفٰے عزت بڑھانے کے لئے تعظیم دیں
ہے بلند اقبال تیرا دودمانِ اہل بیت
ان کے گھر میں بے اجازت جبریل آتے نہیں
قدر والے جانتے ہیں قدر و شانِ اہل بیت
مصطفٰی بائع خریدار اس کا اللہ مشتری
خوب چاندی کر رہا ہے کاروانِ اہل بیت
رزم کا میداں بنا ہے جلوہ گاہِ حسن و عشق
کربلا میں ہو رہا ہے امتحانِ اہل بیت

پھول زخموں کے کھلائے ہیں ہوائے دوست نے
خون سے سینچا گیا ہے گلستانِ اہلِ بیت
حوریں کرتی ہیں عروسانِ شہادت کا سنگھار
خوبرو دولھا بنا ہے ہر جوانِ اہلِ بیت
ہو گئی تحقیق عید دید آبِ تیغ سے
اپنے روزے کھولتے ہیں صائمانِ اہلِ بیت
جمعہ کا دن ہے کتابیں زیست کی طے کر کے آج
کھیلتے ہیں جان پر شہزادگانِ اہلِ بیت
اے شبابِ فصلِ گل ! چل گئی کیسی ہوا
کٹ رہا لہلاتا بوستانِ اہلِ بیت
کس شقی کی ہے حکومت ہائے کیا اندھیر ہے؟
دن دہاڑے لٹ رہا ہے کاروانِ اہلِ بیت
خشک ہو جا خاک ہو کر خاک میں مل جا فرات
خاک تجھ پر دیکھ تو سوکھی زبانِ اہلِ بیت
خاک پر عباس و عثماں علم بردار ہیں
بے کسی اب کون اٹھائے گا نشانِ اہلِ بیت
تیری قدرت جانور تک آب سے سیراب ہوں
پیاس کی شدت سے تڑپے بے امانِ اہلِ بیت
قافلہ سالار منزل کو چلے ہیں سونپ کر
وارثِ بے وارثاں کو کاروانِ اہلِ بیت
فاطمہ کے لاڈلے کا آخری دیدار ہے
حشر کا ہنگامہ برپا ہے میانِ اہلِ بیت
وقتِ رخصت کہہ رہا ہے خاک میں ملتا سہاگ
لو سلام آخری اے بیوگانِ اہلِ بیت
ابرِ فوجِ دشمناں میں اے فلک یوں ڈوب جائے
فاطمہ کا چاند مہرِ آسمانِ اہلِ بیت
کس مزے کی لذتیں ہیں آبِ تیغِ یار میں
خاک و خوں میں لوٹتے ہیں تشنگانِ اہلِ بیت
باغِ جنت چھوڑ کر آئے ہیں محبوبِ خدا
اے زہے قسمت تمہاری کشتگانِ اہلِ بیت
حوریں بے پردہ نکل آئی ہیں سر کھولے ہوئے
آج کیسا حشر ہے یارب میانِ اہلِ بیت
کوئی کیوں پوچھے کسی کو کیا غرض اے بے کسی
آج کیسا ہے مریضِ نیم جانِ اہلِ بیت
گھر لٹانا جان دینا کوئی تجھ سے سیکھ جائے
جانِ عالم ہو فدا اے خاندانِ اہلِ بیت

سرِ شہیدانِ محبت کے ہیں نیزوں پر بلند
اور اونچی کی خدا نے قدر و شانِ اہل بیت

دولتِ دیدار پائی پاک جانیں بیچ کر
کربلا میں خوب ہی چمکی دکانِ اہل بیت

زخم کھانے کو تو آبِ تیغ پینے کو دیا
خوب دعوت کی بلا کر دشمنانِ اہل بیت

اپنا سودا بیچ کر بازار سونا کر گئے
کون سی بستی بسائی تاجرانِ اہل بیت

اہلِ بیتِ پاک سے گستاخیاں بے باکیاں
لعنۃ اللہ علیکم دشمنانِ اہل بیت

بے ادب گستاخ فرقے کو سنا دے اے حسن
یوں کہا کرتے ہیں سنی داستانِ اہل بیت

اے کوثر! اپنے ٹھنڈے اور خوشگوار پانی کی سبیل تیار رکھ کہ تین دن کے پیاسے تیرے کنارے جلوہ فرمائیں گے۔ اے طوبیٰ! اپنے سائے کے دامن اور دراز کر، کربلا کی دھوپ کے لیٹنے والے تیرے نیچے آرام لیں گے۔

آج میدانِ کربلا میں جنتوں سے حوریں سنگار کیے، ٹھنڈے پانی کے پیالے لئے حاضر ہیں۔۔۔ آسمان سے ملائکہ کی لگاتار آمد نے سطح ہوا بالکل بھر دیا ہے اور پاک روحوں نے بہشت کے مکانوں کو سونا کر دیا۔۔۔ خود حضور پرنور ﷺ مدینہ طیبہ سے اپنے لاڈلے حسین کی قتل گاہ تشریف لائے ہوئے ہیں۔۔۔ ریشِ مبارک اور سرِ اطہر کے بال گرد سے اٹے ہوئے اور آنکھوں کا تار بندھا ہوا ہے۔۔۔ دستِ مبارک میں ایک شیشہ ہے، جس میں شہیدوں کا مقدس خون جمع فرمایا گیا۔۔۔ اور اب مقدس دل کے چین پیارے حسین کے خون بھرنے کی باری ہے۔

بچہ ناز رفتہ باشد ز جہاں نیاز مندے
کہ بوقت جان سپردن بسرش رسیدہ باشی

(اس کی نیاز مندی سے جہاں، کتنا ناز اٹھائے گا کہ جب میری جان نکل رہی ہوگی اور تو میرے سر پر کھڑا ہوگا)

غرض آج کربلا میں حسینی میلا لگا ہوا ہے۔۔۔ حوروں سے کہو کہ اپنی خوشبودار چوٹیاں کھول کر کربلا کا میدان صاف کریں کہ تمہاری شہزادی، تمہاری آقائے نعمت فاطمہ زہرا کے لال کے شہید کرنے اور خاک پر لٹائے جانے کا وقت قریب آ گیا ہے۔۔۔ رضوان کو خبر دو کہ جنتوں کو بھینی بھینی خوشبوؤں سے بسا کر دلکش آرائشوں سے آراستہ کر کے دلہن بنا کر رکھے کہ بزمِ شہادت کا دولھا بہتے خون کا سہرا باندھے زخموں کے ہار گلے میں ڈالے عنقریب تشریف لانے والا ہے۔

ساعتِ آہ و بکا کی بے قراری آ گئی
سید مظلوم کی رن میں سواری آ گئی

ساتھ والے بھائی بیٹے ہو چکے ہیں سب شہید
اب امامِ بے کس و تنہا کی باری آ گئی

امام نے شمر خبیث کو خیمہ اطہر کی طرف بڑھتے دیکھ کر فرمایا ''خرابی ہو تمہارے لئے اگر دین نہیں رکھتے اور قیامت سے نہیں ڈرتے تو شرافت سے نہ گزرو، میرے اہل بیت سے جاہل سرکشوں کو روکو، دشمن ادھر سے باز رہے۔'' اب چار طرف سے امام مظلوم پر، جنہیں شوق شہادت ہزاروں دشمنوں کے مقابلے میں اکیلا کر کے لایا ہے۔ نرغہ ہوا۔ امام داہنی طرف سے حملہ فرماتے تو دور تک سواروں اور پیادوں کا نشان نہ رہتا، بائیں جانب تشریف لے جاتے تو دشمنوں کو میدان چھوڑ کر بھاگنا پڑتا۔

خدا کی قسم، وہ فوج اس طرح ان کے حملوں سے پریشان ہوتی جیسے بکریوں کے گلہ پر شیر آ پڑتا ہے، لڑائی نے طول کھینچا ہے، دشمنوں کے چھکے چھوٹے ہوئے ہیں، ناگاہ امام کا گھوڑا بھی کام آ گیا، پیادہ ایسا قتال فرمایا کہ سواروں سے ممکن نہیں۔

تین دن کے پیاسے تھے ایک بدبخت نے فرات کی طرف اشارہ کر کے کہا ''وہ دیکھئے کیسا چمک رہا ہے، مگر تم اس سے ایک بوند نہ پاؤ

گے یہاں تک کہ پیاسے ہی مارے جاؤ گے" فرمایا "اللہ! تجھ کو پیاسا ہی قتل کرے" فوراً پیاس میں مبتلا ہوا، پانی پیتا، پیاس نہ بجھتی یہاں تک کہ پیاسا ہی مرگیا۔ حملہ کرتے اور فرماتے، "کیا میرے قتل پر جمع ہوئے ہو؟ ہاں ہاں، خدا کی قسم، میرے بعد کسی کو قتل نہ کرو گے، جس کا قتل میرے قتل سے زیادہ خدا کی ناخوشی کا سبب ہو، خدا کی قسم! مجھے اُمید ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہاری ذلت سے مجھے عزت بخشے اور تم سے وہ بدلہ لے جو تمہارے خواب وخیال میں بھی نہ ہو، خدا کی قسم! تم مجھے قتل کرو گے تو اللہ تم میں پھوٹ ڈالے گا اور تمہارے خون بہائے گا اور اس پر بھی راضی نہ ہوگا، یہاں تک کہ تمہارے لئے دکھ دینے والا عذاب چند در چند بڑھائے گا۔"

جب شمر خبیث نے کام نکلتا نہ دیکھا، لشکر کو للکارا۔ "تمہاری مائیں تم کو پیٹیں کیا انتظار کر رہے ہو حسین کو قتل کرو" اب چار طرف سے ظلمت کے ابر اور تاریکی کے بادل فاطمہ کے چاند پر چھا گئے۔ زرعہ بن شریک تمیمی نے بائیں شانہ مبارک پر تلوار ماری، امام تھک گئے ہیں۔۔۔ زخموں سے چور ہیں۔۔۔ ۳۳ زخم نیزے کے اور ۳۴ گھاؤ تلوار کے لگے ہیں۔۔۔ تیروں کا شمار نہیں۔۔۔ اٹھنا چاہتے ہیں اور گر گر پڑتے ہیں۔۔۔ اسی حالت میں سنان بن انس نخعی شقی ناری جہنمی نے نیزہ مارا کہ وہ عرش کا تارا زمین پر ٹوٹ کر گر پڑا۔۔۔ سنان مردود نے خولی بن یزید سے کہا، سر کاٹ لے۔ اس کا ہاتھ کانپا۔ سنان ولد الشیطان بولا "تیرا ہاتھ بے کار ہوا" اور خود گھوڑے سے اتر کر محمد رسول اللہ ﷺ کے جگر پارے، تین دن کے پیاسے کو ذبح کیا اور سر مبارک جدا کر لیا، شہادت جو دلہن بنی ہوئی سرخ جوڑا، جنتی خوشبوؤں میں بسائے اسی وقت کی منتظر بیٹھی تھی، گھونگٹ اٹھا کر بے تابانہ دوڑی اور اپنے دولہا حسین شہید کے گلے میں باہیں ڈال کر لپٹ گئی۔

فصلی اللہ علی سیدنا و مولانا محمد و الہ و اصحابہ اجمعین

و لعنۃ اللہ علی اعدائہ و اعدائہم الظلمین

اس پر بھی صبر نہ آیا۔ امام کا لباس اتار کر آپس میں بانٹ لیا۔ عداوت کی آگ ابھی بھی نہ بجھی، اہل بیت کے خیموں کو لوٹا، تمام مال اسباب اور محمد رسول اللہ ﷺ کی صاحبزادیوں کا زیور اتار لیا، کسی بی بی کے کان میں ایک بالی بھی نہ چھوڑی۔

اللہ عزوجل کی ہزار، ہزار لعنتیں ان بے دینوں کی شقاوت پر، زیور در کنار اہل بیت کے سروں سے دوپٹے تک۔۔۔ اب بھی مردوں کو چین نہ پڑا، ایک شقی باری جہنمی پکارا "کوئی ہے کہ حسین ؓ کے جسم کو گھوڑوں سے پامال کرے؟"۔ دس مردود گھوڑے کداتے دوڑے اور فاطمہ کی گود کے پالے، مصطفیٰ ﷺ کے سینے پر کھیلنے والے، کے تن مبارک کو سموں سے روندا، کہ سینہ و پشت نازنین کی تمام ہڈیاں ریزہ ریزہ ہوگئیں"۔

فصلی اللہ علی سیدنا و مولانا محمد و الہ و اصحابہ اجمعین

و لعنۃ اللہ علی اعدائہ و اعدائہم الظلمین

WWW.NAFSEISLAM.COM

شہادت کے بعد کے واقعات:

کتے شمر خبیث نے چاہا کہ امام زین العابدین کو بھی شہید کرے، حمید بن مسلم بولا "سبحان اللہ! کیا بچے بھی قتل کئے جائیں گے؟"۔ ظالم باز رہا، پھر سر مبارک امام مظلوم و شہدائے مرحوم، خولی بن یزید اور حمید بن مسلم کے ساتھ ابن زیاد کے پاس بھیجے گئے، جب کوفے آئے مکان بند پایا۔ خولی سر مبارک گھر لے آیا اور اپنی عورت نوار، سے کہا "میں تیرے لئے وہ چیز لایا ہوں جو عمر بھر کو غنی کر دے" اس نے پوچھا "کیا ہے؟" کہا "حسین کا سر" بولی "خرابی ہو تیرے لئے، لوگ چاندی سونا لے کر آتے ہیں اور تو رسول اللہ ﷺ کے بیٹے کا سر لایا ہے۔ خدا کی قسم! میں تیرے ساتھ کبھی نہیں رہوں گی" یہ بی بی کہتی ہے کہ "میں نے رات بھر دیکھا کہ ایک نور عظیم، سر مبارک سے آسمان تک بلند ہے اور سپید پرند، سر اقدس پر قربان ہو رہے ہیں۔"

جب سر مبارک، ابن زیاد خبیث کے پاس لایا گیا، اس کے گھر کے در و دیوار سے خون بہنے لگا، وہ شقی چھڑی سے دندان مبارک کو چھو کر بولا، "میں نے ایسا خوبصورت نہ دیکھا، دانت کیسے اچھے ہیں" زید بن ارقم ؓ تشریف رکھتے، فرمایا "اپنی چھڑی ہٹا، میں نے مدتوں رسول اللہ ﷺ کو ان ہونٹوں کو چومتے اور پیار کرتے ہوئے دیکھا ہے" یہ کہہ کر رونے لگے۔ وہ خبیث بولا "تمہیں رونا نصیب ہو، اگر سٹھیا نہ گئے ہوتے تو میں گردن مار دیتا" یہ اٹھ کھڑے ہوئے اور اس مردود کے درباریوں سے فرمایا "تم نے فاطمہ کے بیٹے کو قتل کیا اور مرجانہ کے جنے کو امیر بنایا، آج سے تم غلام ہو، خدا کی قسم! تمہارے اچھے اچھے قتل کئے جائیں گے اور جو بچ رہیں گے غلام بنا لئے جائیں گے۔ دور ہوں وہ جو ذلت و عار پر راضی ہوں۔" پھر فرمایا "اے ابن زیاد! میں تجھ سے وہ حدیث بیان کروں گا جو تجھے غیظ وغضب کی آگ میں پھونک دے، میں نے حضور اقدس کو دیکھا "دہنی ران مبارک پر حسن کو بٹھایا اور بائیں پر حسین کو اور دست اقدس ان کے سروں پر رکھ کر دعا فرمائی۔ الٰہی میں ان دونوں کو تجھے اور نیک مسلمانوں کو سونپتا ہوں" "اے ابن زیاد! دیکھ نبی ﷺ کی امانت کے ساتھ تو نے کیا کیا؟" ادھر ظالموں نے عابد بیمار کے

گلے میں طوق ہاتھوں میں ہتھکڑیاں ڈالیں اور بیبیوں کو اونٹوں پر سوار کرا کر، دو روز بعد کربلا کوچ کیا۔

سوار گھوڑوں پر اعداء پیادہ شہزادہ
الٰہی کیسا زمانے نے انقلاب کیا

جب یہ مظلوموں کا لٹا ہوا قافلہ، شہیدوں کی لاشوں پر گزرا کہ بے گور و کفن میدان میں پڑے ہیں، حضرت زینب بے تابانہ چلا اٹھیں، یارسول اللہ! حضور پر ملائکہ آسمان کی درودیں، حضور! یہ ہیں حسین۔۔ میدان میں لیٹے۔۔۔ سر سے پاؤں تک خون میں لپٹے۔۔۔ تمام بدن کے جوڑ کٹے اور حضور کی بیٹیاں قیدی ہوئیں اور حضور کے بچے مقتول پڑے ہیں جن پر ہوا خاک اڑا کر ڈالتی ہے۔۔۔"

جب یہ مظلوم قافلہ، ابن زیاد نہاد کے پاس پہنچا، اس نے عابد مظلوم سے بحث کی، مسکت جواب پانے کے بعد بولا "خدا کی قسم! تم انہیں میں سے ہو" پھر ایک شخص سے کہا، دیکھ تو یہ بالغ ہیں اور پر مری بن معاذ احمری شقی نے سید مظلوم کو قریب جا کر غور سے دیکھا، کہا "ہاں جوان ہیں" خبیث بولا "انہیں بھی قتل کر" حضرت زینب بے تاب ہو کر مظلوم بھتیجے سے لپٹ گئیں اور فرمایا "ابن زیاد بس کر! ابھی ہمارے خون سے تو سیراب نہ ہوا؟ ہم میں سے تو نے کسے باقی چھوڑا ہے؟ میں تجھے خدا کا واسطہ دیتی ہوں کہ اس بچے کو قتل کرے تو اس کے ساتھ مجھے بھی مار ڈال"

عابد مظلوم نے فرمایا "اے ابن زیاد! ان بے کس عورتوں کا کون نگہبان رہے گا؟ دین و دیانت و حقوق رسالت تو برباد ہو گئے، آخر تجھے ان سے کچھ قرابت بھی ہے، اسی کا خیال کر کے ان کے ساتھ کوئی خدا ترس بندہ کر دینا، جو اسلامی پاس کے ساتھ انہیں مدینہ پہنچا آئے۔"

حضرت زینب کی یہ حالت دیکھ کر خبیث بولا "خون کی شرکت بھی کیا چیز ہے میں یقین کرتا ہوں کہ یہ بی بی چاہتی ہے کہ اس لڑکے کو قتل کر دوں تو انہیں بھی قتل کر دوں، خیر لڑکے کو چھوڑ دو کہ اپنے ناموس کے ساتھ رہے"۔

سر انور کی کرامات:

اب یہ قافلہ اور شہیدوں کے سر، شام کو روانہ کئے گئے سر مبارک نیزہ پر تھا راہ میں ایک شخص قرآن مجید کی تلاوت کر رہا تھا۔ جب اس آیت پر پہنچا "ام حسبت ان اصحاب الکھف والرقیم کانو ا من ایتنا عجبا" کیا تو نے نہ جانا کہ کہف و رقیم والے ہماری نشانیوں سے اچنبا تھے"۔ (الکھف ۹: پ: ۱۵)

سر مبارک نے فرمایا "یا تالی القرآن اعجب من قصة اصحاب الکھف قتلی وحملی" اے قرآن پڑھنے والے! اصحاب کہف کے قصے سے زیادہ عجیب ہے میرا قتل کرنا اور سر نیزے پر لئے پھرنا" ظالم جہاں ٹھہرتے، سر مبارک کو نیزے پر رکھ کر پھرا دیتے۔

ایک راہب نصرانی نے دیکھا تو پوچھا، بتایا، کہا "تم برے لوگ ہو، کیا دس ہزار اشرفیاں لے کر اس پر راضی ہو سکتے ہو کہ ایک رات یہ سر میرے پاس رہے" دنیا کے کتوں نے قبول کر لیا۔ راہب نے سر مبارک دھویا، خوشبو لگائی، رات بھر اپنی ران پر رکھے دیکھتا رہا ایک نور بلند ہوتا پایا۔ راہب نے وہ رات رو کر کاٹی، صبح اسلام لایا اور گرجا گھر جا کر اس کا مال و متاع چھوڑ کر اہل بیت کی خدمت کی گذار دی۔

صبح ان خبیثوں نے اشرفیوں کے توڑے آپس میں حصے کرنے کو کھولے، سب اشرفیاں ٹھیکریاں ہو گئی تھیں، ان کے ایک طرف لکھا تھا "ولا تحسبن اللہ غافلا عما یعمل الظلمون" ہرگز اللہ کو غافل نہ جانو ظالموں کے کاموں سے (ابراہیم: ۴۲، پ: ۱۳)۔ اور دوسری طرف لکھا تھا "وسیعلم الذین ظلموا ای منقلب ینقلبون" اب جانے جاتے ہیں ظلم کرنے والے کس پلٹے پر پلٹا کھاتے ہیں۔ (النمل ۲۲۷، پ ۱۹)

مزید واقعات:

جب سر مبارک امام مظلوم کا، اس ظالم اظلم یزید پلید کے پاس پہنچا، بید سے چھونے لگا، نصرانی بادشاہ کا سفیر موجود تھا، حیران ہو کر بولا کہ "ہمارے یہاں ایک جزیرے کے گرجا گھر میں عیسیٰ علیہ السلام کے گدھے کا سم ہے، ہم ہر سال دور دور سے اس کی طرف حج کی طرح جاتے اور منتیں مانگتے ہیں اور اس کی ایسی تعظیم کرتے ہیں جیسے تم اپنے کعبہ کی، تم نے اپنے نبی کے بیٹے کے ساتھ یہ سلوک کیا، میں گواہی دیتا ہوں کہ تم لوگ باطل پر ہو۔"

ایک یہودی نے کہا: "مجھ میں اور داؤد علیہ السلام میں ستر پشت کا فاصلہ ہے (اسی بناء پر) یہود میری تعظیم کرتے ہیں اور (تمہارا حال یہ ہے کہ) تم نے خود اپنے نبی کے بیٹے کو قتل کر دیا؟

پھر شام سے یہ قافلہ مدینہ طیبہ کو روانہ کیا گیا، مدینہ میں پہنچنے کی تاریخ قیامت کا سامان اپنے ساتھ لائی۔ گھر گھر میں کہرام تھا۔ در و دیوار سے دل دکھانے اور کلیجے میں گھاؤ ڈالنے والی مصیبت ٹپکی پڑتی ہے۔

بعدِ شہادت آسمان سے خون برسا۔ نصرہ ازدیہ کہتی ہیں کہ "ہم صبح کو اٹھے تو تمام برتن خون سے بھرے پائے۔۔ آسمان اس قدر تاریک ہوا کہ دن کو ستارے نظر آئے۔۔۔ ملک شام میں جو پتھر اٹھاتے، اس کے نیچے تازہ خون پاتے۔"

ایک روایت میں ہے کہ سات دن آسمان اس قدر تاریک رہا کہ دیواریں شہاب کی رنگی ہوئی معلوم ہوتیں۔۔۔ ستاروں میں تلاطم نظر آتا۔۔۔ ایک ستارہ دوسرے سے ٹکراتا۔ ابو سعد فرماتے ہیں، "دنیا بھر میں جو پتھر اٹھایا اس کے نیچے تازہ خون پایا۔۔ آسمان سے خون برسا۔۔۔ کپڑے پھٹتے پھٹ گئے، مگر اس کا اثر نہ جاتا تھا نہ گیا۔ خراسان و شام و کوفہ میں گھروں اور دیواروں پر خون ہی خون تھا۔"

علماء فرماتے ہیں کہ "یہ تیز سرخی جو شفق کے ساتھ دیکھی جاتی ہے، شہادت مبارک سے پہلے نہ تھی، چھ مہینے تک آسمان کے کنارے سرخ رہے پھر یہ سرخی نمودار ہوئی۔"

قتلِ حسین ﷛ میں شریک بدبختوں کا عبرت ناک انجام:

ابو شیخ نے روایت کی "کچھ لوگ بیٹھے ذکر کر رہے تھے کہ جس نے امامِ مظلوم کے قتل میں کچھ اعانت کی تھی کسی نہ کسی بلا میں ضرور مبتلا ہوا۔ ایک بڈھے نے اپنے نفس ناپاک کی نسبت سے کہا کہ "اسے تو کچھ نہ ہوا"۔ چراغ کی بتی سنبھالی، آگ نے اس شقی کو جالیا، آگ آگ چلاتا فرات میں کود پڑا، مگر وہ آگ نہ بجھی، یہاں تک کہ آگ میں پہنچا۔

منصور بن عمار نے روایت کی کہ "امام کے قاتل ایسی پیاس میں مبتلا ہوئے کہ ایک ایک مشک چڑھا جاتے اور پیاس کم نہ ہوتی۔"

سدی کہتے ہیں کہ "ایک شخص نے کربلا میں میری دعوت کی، لوگوں نے آپس میں ذکر کیا کہ "جس جس نے حسین کے خون میں شرکت کی بری موت مرا" میزبان نے اسے جھٹلایا اور کہا کہ "وہ شخص (یعنی میں خود) بھی اسی لشکر میں تھا (مجھے تو کچھ بھی نہ ہوا)" پچھلی رات (یعنی رات کے آخری پہر) چراغ درست کرنے اٹھا، آگ نے جست کر کے اس کے بدن کو لیا، خدا کی قسم! میں نے دیکھا کہ اس کا بدن کوئلہ ہو گیا"

امام زہری فرماتے ہیں، "ان میں کوئی مارا گیا، کوئی اندھا ہو کر مرا، کسی کا منہ کالا ہو گیا۔"

امام واقدی فرماتے ہیں، "ایک بڈھا وقت شہادت امام موجود تھا، (لیکن قتل میں) شریک نہ ہوا، اندھا ہو گیا۔ سبب پوچھا گیا، کہا، "اس نے مصطفیٰ ﷺ کو خواب میں دیکھا، آستینیں چڑھائے، دستِ اقدس میں ننگی تلوار لئے، سامنے دس قاتل ذبح کئے ہوئے پڑے ہیں۔ حضور نے اس بڈھے پر غضب فرمایا کہ "تو نے موجود ہو کر اس گروہ کو بڑھایا؟" اور خونِ امام کی ایک سلائی آنکھوں میں لگا دی، اٹھا تو اندھا تھا۔

سبط ابن الجوزی روایت کرتے ہیں، "جس شخص نے سرِ مبارک امامِ مظلوم، اپنے گھوڑے سے لٹکایا تھا، چند روز کے بعد اس کا منہ کوئلے سے زیادہ کالا ہو گیا۔ لوگوں نے کہا، "تیرا چہرہ تو عرب بھر میں تر و تازہ تھا یہ کیا ماجرا ہے؟" کہا، "جب سے وہ سر اٹھایا ہے، ہر رات دو شخص آتے اور مجھے بازو سے پکڑ کر بھڑکتی ہوئی آگ پر لے جا کر دھکا دیتے ہیں۔ سر جھکتا ہے، آگ چہرے کو مارتی ہے" پھر نہایت برے حالوں میں مر گیا۔"

ایک بڈھے نے حضور پرنور ﷺ کو خواب میں دیکھا کہ "سامنے ایک طشت میں خون رکھا ہے اور لوگ پیش کئے جاتے ہیں، حضور ﷺ اس خون کو دھبہ لگا دیتے ہیں، جب اس کی باری آئی، اس نے عرض کی "میں تو موجود نہ تھا" فرمایا "دل سے تو چاہتا تھا" پھر انگشتِ مبارک سے اس کی طرف اشارہ کیا، صبح کو اندھا اٹھا۔

حاکم نے روایت کی کہ حضور پرنور ﷺ سے جبریل علیہ السلام نے عرض کی کہ "اللہ تعالیٰ فرماتا ہے میں نے یحییٰ بن زکریا کے بدلے ستر ہزار قتل کئے اور حسین کے بدلے ستر ہزار اور قتل فرماؤں گا۔"

الحمد للہ! اللہ عزوجل نے ابن زیاد خبیث سے امام کا بدلہ لے لیا جب وہ مردود مارا گیا، اس کا سر مع اس کے ساتھیوں کے سروں کے لا کر رکھا گیا۔ لوگوں کا ہجوم تھا، غل پڑ گیا "آیا آیا" راوی کہتے ہیں، "میں نے دیکھا کہ ایک سانپ آ رہا ہے، سب سروں کے بیچ میں ہوتا ہوا ابن زیاد کے ناپاک سر تک پہنچا۔ ایک نتھنے میں گھس کر دوسرے نتھنے میں سے نکلا اور چلا گیا، پھر غل پڑا، پھر وہی سانپ آیا اور کئی بار ایسا ہی ہوا۔"

منصور کہتے ہیں۔ "میں نے شام میں ایک شخص کو دیکھا، اس کا منہ سور کا منہ تھا، سبب پوچھا کہا "وہ مولیٰ علی ﷛ اور ان کی پاک اولاد پر لعنت کیا کرتا" ایک رات حضور سید عالم ﷺ کو خواب میں دیکھا، امام حسن مجتبیٰ ﷛ نے اس خبیث کی شکایت کی، حضور علیہ السلام نے اس پر لعنت فرمائی اور منہ پر تھوک دیا، چہرہ سؤر کا ہو گیا"

والعیاذ باللہ رب العالمین فقط

صلی اللہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہ سیدنا ومولانا محمد والہ واصحبہ اجمعین برحمتک یا ارحم الراحمین

امام حسن کو زہر کس نے دیا؟ :

اس بات کا درست و مدلل جواب جاننے کے لئے ''خلیفہ اعلیٰ حضرت علامہ مولانا محمد نعیم الدین مرادآبادی (قدس سرہ)'' کے تحریر کردہ درج ذیل کلمات بہت اہمیت کے حامل ہیں۔ آپ ارشاد فرماتے ہیں: ''مورخین نے زہر خورانی کی نسبت جعدہ بنت اشعث ابن قیس کی طرف کی ہے اور اس کو امام عالی مقام رضی اللہ عنہ کی زوجہ بتایا ہے، اور یہ بھی کہا ہے کہ ''یہ زہر خورانی باغوائے یزید ہوئی ہے اور یزید نے اس سے نکاح کا وعدہ کیا تھا، اس طمع میں آ کر اس نے حضرت امام رضی اللہ عنہ کو زہر دیا'' لیکن اس روایت کی کوئی سند صحیح دستیاب نہیں ہوئی اور بغیر کسی سند صحیح کے کسی مسلمان پر قتل کا الزام، اور ایسے عظیم الشان قتل کا الزام کس طرح جائز ہو سکتا ہے؟ قطع نظر اس بات کے کہ روایت کے لئے کوئی سند نہیں ہے اور مورخین نے بغیر کسی معتبر ذریعے یا معتمد حوالے کے لکھ دیا ہے۔

یہ خبر واقعات کے حوالے سے بھی ناقابل اطمینان معلوم ہوتی ہے۔ (کیونکہ) واقعات کی تحقیق خود واقعات کے زمانے میں جیسی ہو سکتی ہے، مشکل ہے کہ بعد کو ویسی تحقیق ہو، خاص کر کہ جب کہ واقعہ اتنا اہم ہو۔ مگر حیرت ہے کہ اہلِ بیت اطہار کے اس امام جلیل کا قتل؟ اس قاتل کی خبر غیر کو کیا ہوتی؟ خود حضرتِ امام حسین رضی اللہ عنہ کو بھی پتہ نہیں ہے۔ یہی تاریخیں بتاتی ہیں کہ وہ اپنے برادرِ معظم سے زہر دہندہ کا نام دریافت فرماتے ہیں۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ امام حسین رضی اللہ عنہ کو زہر دینے والے کا نام معلوم نہ تھا۔

اب جب کہ امام حسن رضی اللہ عنہ نے خود کسی قتل کرنے والے کا نام نہ لیا، تو جعدہ کو قاتل ہونے کے لئے معین کرنے والا کون ہے؟ امام حسین رضی اللہ عنہ کو یا امامین کے صاحبزادوں میں سے کسی صاحب کو اپنی آخر حیات تک جعدہ کی زہر خورانی کا کوئی ثبوت نہ پہنچا، نہ ہی ان میں سے کسی نے اس پر شرعی مواخذہ کیا۔

ایک اور پہلو اس واقعہ کا خاص طور پر قابل لحاظ ہے اور وہ یہ ہے کہ ''حضرت امام رضی اللہ عنہ کی بیوی کو غیر کے ساتھ ساز باز کرنے کی شنیع تہمت کے ساتھ متہم کیا جاتا ہے۔ یہ ایک بدترین تبرا (یعنی طعنہ زنی) ہے۔ عجب نہیں کہ اس حکایت کی بنیاد خارجیوں کی افتراءات ہوں، جب کہ صحیح اور معتبر ذرائع سے یہ معلوم ہے کہ حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کثیر التزوج (یعنی بہت زیادہ شادی کرنے والے) تھے اور آپ نے سو کے قریب نکاح کئے اور طلاقیں دیں۔ اکثر ایک دو شب ہی کے بعد طلاق دے دیتے تھے۔ حضرت امیر المومنین علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم بار بار اعلان فرماتے تھے کہ ''حضرت امام حسن کی عادت ہے کہ یہ طلاق دے دیا کرتے ہیں، کوئی اپنی لڑکی ان کے ساتھ نہ بیاہے''۔

مگر مسلمان بیبیاں اور ان کے والدین یہ تمنا کرتے تھے کہ (اس طرح) کنیز ہونے کا شرف ہی حاصل ہو جائے۔ اسی کا اثر تھا حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ جن عورتوں کو طلاق دیا کرتے تھے وہ اپنی باقی زندگی حضرت امام کی محبت میں سیدایانہ گزار دیتیں اور ان کی حیات کا لمحہ لمحہ حضرت امام کی یاد اور محبت میں گزرتا تھا۔ ایسی حالت میں یہ بات بہت بعید ہے کہ امام کی بیوی حضرت امام کے فیضِ صحبت کی قدر نہ کرے اور یزید پلید کی طرف ایک طمع فاسد کی بناء پر امامِ جلیل کے قتل جیسے سخت جرم کا ارتکاب کرے۔

واللہ تعالیٰ اعلم بحقیقۃ الحال (سوانح کربلا)

❁ ❁ ❁

درسِ انقلاب، حادثۂ کربلا اور اقبال

ڈاکٹر ظفر اقبال نوری

سانحۂ کربلا جب سے پیش آیا ہے اس نے بے شمار دلوں کو بے قرار اور ان گنت آنکھوں کو اشکبار کیا ہے۔ ہر دور کے ارباب فکر و دانش نے کارواں سالار عشق سیدنا امام حسین ؑ اور ان کے عالی قدر رفقاء کی جرأت و عزیمت کو خراج عقیدت پیش کیا ہے۔ ان میں تھامس کارلائل، کے سی جان، سر فریڈرک جیمز اور پروفیسر براؤن جیسے اہل مغرب، رابندر ناتھ ٹیگور، منشی پریم چند اور پروفیسر فراق گورکھپوری جیسے ارباب مشرق، مصور غم علامہ راشد الخیری، علامہ شبلی نعمانی، میر ببر علی انیس اور ابوالکلام آزاد جیسے صاحب طرز مسلم سکالرز بھی شامل ہیں۔ حکیم الامت علامہ اقبال نے بھی اس عظیم حادثے کو موضوع سخن بنایا مگر ان کا اسلوب یکسر جداگانہ ہے۔ وہ شہداء کربلا کے عزم و ہمت، صبر و ثبات اور ایثار و وفا کا تذکرہ بھی کرتے ہیں۔ ان پر ہونے والے ظلم و ستم کو اثر انگیز پیرائے میں بیان بھی کرتے ہیں مگر ان سب سے بڑھ کر وہ سیدنا امام حسین ؑ کے نظریۂ حیات اور عقیدہ و عمل کو نمایاں کرتے ہیں۔ داستانِ کربلا کی حکایت رنج و الم میں یہی درسِ انقلاب ہے۔ جس سے وہ ملت کو روشناس کرانا چاہتے ہیں۔ اقبال چاہتے ہیں کہ ہم اس حادثے کو محض اپنی مجلسیں گرمانے اور رونے رلانے تک محدود نہ رکھیں بلکہ اس میں موجود بے پناہ حرکی قوت سے مایوسی کا شکار ملت میں زندگی کی نئی لہر دوڑا دوڑا دیں۔ کاش ہم اقبال کے آفاقی اور انقلابی پیغام کو سمجھتے اور اس پر عمل کرتے۔ ''رموزِ بیخودی'' کی نظم ''در معنی حریت اسلامیہ و سرّ حادثۂ کربلا'' کے چند اقتباس ملاحظہ فرمائیں۔ شاید اس سے ہماری سستی و کاہلی، مایوسی و بے یقینی اور بزدلی و بے دلی کی برف پگھل سکے۔ سیدنا امام عالی مقام ؑ کی نسبی عظمت اور شخصی وجاہت کے بارے میں وہ لکھتے ہیں:

آں امامِ عاشقاں پورِ بتول
سروِ آزادے ز بستانِ رسول
اللہ اللہ بائے بسم اللہ پدر
معنیٔ ذبح عظیم آمد پسر
بہر آں شہزادۂ خیر الملل
دوشِ ختم المرسلیں نعم الجمل
درمیانِ امت آں کیواں جناب
ہمچو حرفِ قل ہو اللہ در کتاب

وہ (امام حسین ؑ) عاشقوں کے امام اور سیدۃ النساء فاطمۃ الزہرا ؑ کے لختِ جگر ہیں۔ رسول پاک ﷺ کے باغ میں وہ سربلند و آزاد سرو کی طرح بلند رتبہ ہیں۔ ان کے والد گرامی سیدنا علی ؑ بسم اللہ کی ''با'' میں پوشیدہ جمیع قرآنی علوم کے مظہر ہیں اور وہ خود حضرت اسماعیل ذبیح اللہ علیہ السلام کی قربانی کی تکمیل کرنے والے ہیں۔ خیر امت کے اس شاہزادے کے لئے حضور ختم المرسلین ﷺ کا دوشِ مبارک بہترین سواری ہے۔

امت میں ان کے مرتبہ و شان کی مثال ایسے ہے جیسے سارے قرآن پاک میں سورہ اخلاص کا مرتبہ۔ سیدنا امام حسین ؑ کی شہادت اور عظیم قربانی کے مقصد پر اقبال یوں روشنی ڈالتے ہیں:

چوں خلافت رشتہ از قرآں گسیخت
حریت را زہر اندر کام ریخت
خاست آں سر جلوۂ خیر الامم
چوں سحاب قبلہ باراں در قدم
بر زمین کربلا بارید و رفت
لالہ در ویرانہ ہا کارید و رفت
تا قیامت قطع استبداد کرد
موج خونِ او چمن ایجاد کرد

جب خلافت نے قرآنی ہدایت سے اپنا رشتہ توڑا تو گویا اس نے اسلام کے نظریۂ حریت کے حلق میں زہر انڈیل دیا۔ اس حالت کو دیکھ کر وہ بہترین امت کے بہترین جلوہ کی صورت میں جیسے قبلہ کی سمت سے جل تھل کر دینے والی بارش سے بھرپور بادل۔ وہ ابر کرم ریگ زار کربلا پر برسا، اس کے ویرانوں میں لالہ و گل کھلائے اور آگے بڑھ گیا۔ گویا اس نے قیامت تک کے لئے جبر و استبداد کی جڑ کاٹ کر رکھ دی اور اس کے مقدس و طاہر خون سے اٹھنے والی موجوں نے ایک نیا چمن بسا دیا۔

اسلامی فلسفۂ شہادت کیا ہے اور شہادت امام حسین ؑ ہمیں کیا انقلاب پرور درس دیتی ہے۔ اس پہ بات کرتے ہوئے علامہ اقبال کہتے ہیں:

ما سوا اللہ را مسلماں بندہ نیست
پیشِ فرعونے سرش افگندہ نیست
خونِ اُو تفسیر ایں اسرار کرد
ملتِ خوابیدہ را بیدار کرد
نقشِ الا اللہ بر صحرا نوشت
سطر عنوانِ نجاتِ ما نوشت
رمزِ قرآں از حسینؓ آموختیم
ز آتشِ اُو شعلہ ہا اندوختیم

امام حسینؓ کے مقدس مطہر خون نے اس راز اور بھید کی تفسیر کر کے سوئی ہوئی ملت کو بیدار کر دیا کہ مسلمان، کبھی غیر اللہ کا بندہ نہیں ہوتا اور نہ ہی اس کا سر کسی فرعون کے سامنے جھک سکتا ہے۔ انھوں نے کربلا کے صحرا کی لوح پر اپنے خون سے الا اللہ کا باطل شکن نقش تحریر فرمایا اور یہی روشن تحریر ہماری جنات کا عنوان بن گئی۔ ہم نے قرآن پاک کے اسرار و رموز سیدنا امام حسینؓ ہی سے سیکھے ہیں اور انہی کے روشن کردہ الاؤ سے ہم نے وہ شعلے اکٹھے کر لیے ہیں جو باطل کو جلا کر راکھ کر سکتے ہیں۔ اس ساری نظم کا لب لباب یہ ہے کہ حضرت اقبال صدیوں کی غلامی تلے پسی ہوئی ملت اسلامیہ کے نوجوانوں کے سینوں میں عزم و یقین کے چراغ روشن کرنا چاہتے ہیں اور انہیں بتانا چاہتے ہیں کہ حق و باطل کی معرکہ آرائی ازل سے ہوتی آئی ہے لیکن حق والے کبھی بھی پاؤں توڑ کر اور مایوس ہو کر بیٹھتے نہیں ہیں۔ انھوں نے بزدلی، بے ایمانی اور فرار کا راستہ اختیار نہیں کیا ہے۔ اہل حق نے کبھی بھی باطل کے سامنے سر نہیں جھکایا ہے۔ انھوں نے کبھی مصلحت کوشی سے کام نہیں لیا ہے۔ انھوں نے اپنی اور اپنے بچوں کی گردنیں کٹوائی ہیں مگر اسلام کے پرچم کو سرنگوں نہیں ہونے دیا۔ اقبال چاہتے ہیں عصر حاضر کے مسلمان باطل اور طاغوت کے خوف سے نکلیں۔ کلمۂ حق بلند کریں۔ اور دین کی سربلندی کے لئے کسی مصلحت کا شکار نہ ہوں، کسی بڑی سے بڑی قربانی سے دریغ نہ کریں۔ زمانے کی غالب اور طاقتور قوتوں کی شان و شوکت اور چمک دمک سے مرعوب ہو کر بزدلی بے غیرتی اور مایوسی کا شکار ہو جانے والے مسلمانوں کو چوکے لگاتے ہوئے وہ یاد دلاتے ہیں کہ اس سے پہلے بھی بڑے بڑے کر و فر والے شاہانِ وقت گزرے ہیں مگر زمانے نے ان کے نام و نشان تک مٹا دیئے۔ اس لئے اپنے عہد کے فرعونوں اور یزیدوں کی ظاہری قوت سے مرعوب ہو کر اپنے دین سے برگشتہ نہ ہوں۔ وہ بڑی جرأت سے اعلان کرتے ہیں:

شوکتِ شام و کر و فر بغداد رفت
سطوتِ غرناطہ ہم از یاد رفت
تارِ ما از زخمہ اش لرزاں ہنوز
تازہ از تکبیر او ایماں ہنوز

شام کے اموی خلفاء کی شان و شوکت اور بغداد کے عباسی خلفاء کی عظمت سب جاتی رہی۔ ہسپانیہ کے اموی امراء کی سطوت کے نشان یادوں سے بھی محو ہو گئے لیکن ہماری زندگی کا ساز آج بھی مضراب حسینؓ سے لرزاں ہے اور ان کی بلند کردہ تاریخ ساز تکبیروں سے آج بھی ہمارا ایمان تازگی حاصل کر رہا ہے۔ اس لئے اے ملتِ اسلامیہ کے لوگو! گھبراؤ نہیں اور مایوس نہ ہو اگر پہلے دور کی طاقتور حکومتوں کی شان و شوکت باقی نہیں رہی تو آج کے اہل جبر کا ظلم بھی تا دیر باقی نہ رہ سکے گا۔ شرط فقط یہ ہے کہ تم بھی اسوہ شبیری سے عمل کی خیرات حاصل کرو۔ ان کے خون کے قطروں سے اٹھتے ہوئے روشنی کے سیلاب سے اندھیروں کو بھگانے کا اہتمام کرو۔

نظم کے آخر میں اقبال حضرت امام حسینؓ کی محبت میں ڈوب جاتے ہیں ان کی آنکھوں سے آنسو چھلک پڑتے ہیں اور وہ بادِ صبا کو مخاطب کر کے کہتے ہیں کہ اے دور رہنے والوں کی قاصد بادِ صبا! ہمارے آنسو ساتھ لیتی جا اور انہیں عاشقوں کے سردار، مجاہدوں کے امام، حق کے علمبردار اور اسلام کے انقلاب مسلسل کے داعی امام حسینؓ کی قبر انور کی خاکِ پاک پہ نچھاور کر دے۔

اے صبا اے پیکِ دُور افتادگاں
اشکِ ما بر خاکِ پاکِ اُو رساں

✿ ✿ ✿

حضرت علامہ مولانا محمد عبد العزیز چشتی

احسان علی گورایہ، ابومحی الدین، منظور حسین اختر، فاروق احسن، ملک محمد سجاد

پچاس برس سے دنیائے خطابت میں راج کرنے والے بے مثل خطیب جن کو شیخ پر شیخ القرآن مولانا عبد الغفور ہزاروی، مناظر اسلام مولانا محمد عمر اچھروی، مولانا عنایت اللہ سانگلہ ہل، مولانا غلام حسین گوجروی، مولانا محمد شریف نوری جیسے علماء وخطباء کی معیت نصیب رہی اور جن کو خلافت شیخ الاسلام خواجہ محمد قمر الدین سیالوی سے ملی۔ آپ مرنجاں مرنج طبیعت کے مالک ہیں۔ ڈر، خوف، جھجک ان کی گلی سے گذرے ہی نہیں، بے خوف وخطر حق بات کا اظہار ان کا وطیرہ ہے۔ دور حاضر کے خطیبوں میں بڑے بڑے نام انہی کی تربیت سے افق خطابت پر نمایاں ہوئے۔ 79 سال کے مولانا عبد العزیز چشتی اپنے اندر تجربات کا جہاں سمیٹے ہوئے ہیں۔ جس موضوع کو چھیڑیں چشتی صاحب اسی موضوع کے شاہ نظر آئیں گے۔ فن تقریر، سیاحت وسیاست میں آبلہ پائی اور شہرت کی بلندیوں کو چھونے والے مولانا عبد العزیز چشتی کی شخصیت کا اصول حسن ان کا سوز وگداز اور رقت قلب ہے، جو کہ پاس بیٹھنے والا شخص شدت سے محسوس کر سکتا ہے۔ آپ نے اندرون وبیرون ملک ہر جگہ اپنی خطابت کا جادو جگایا، زندگی کے مختلف عروج وزوال کو قریب سے دیکھا، کئی حکومتیں بنتی اور ٹوٹتی دیکھیں۔ اپنوں کی دوستیاں بھی دیکھیں اور بے وفائیاں بھی دیکھیں۔ بڑے بڑے پارساؤں کی پارسائیاں چند ٹکوں کے عوض فروخت ہوتے دیکھیں، بڑی بڑی پگڑیاں اچھلتے دیکھیں، لوگوں کو ملتے بھی دیکھا اور بچھڑتے بھی دیکھا، سیاست کے میدان میں قدم رکھا اور مختلف لیڈروں کو جھکتے اور بکتے بھی دیکھا، غرض کہ مولانا عبد العزیز چشتی ایک شخصیت ہی نہیں بلکہ 80 سالہ تاریخ کے کھلے ہوئے اوراق کا نام ہے۔ ان کے پاس بیٹھنے والا آج بھی ان کو جوان محسوس کرتا ہے، جوان جذبہ، عالی ہمت اور خوش مزاجی آج بھی ان کی طبیعت کا خاصہ ہیں۔ وکیل راہ اس عظیم عالم دین کے خیالات قارئین تک پہنچانے کی سعی کر رہا ہے۔۔۔ امید ہے قارئین پسند کریں گے۔۔۔ (ادارہ)

✿ دلیل راہ: تاریخ پیدائش اور مقام پیدائش۔

☆ تاریخ پیدائش تو یاد نہیں البتہ اس وقت میری عمر تقریباً 79 سال ہے اور میرا آبائی گاؤں جہاں میری پیدائش ہوئی ہر چوکی، گورایہ، موضع ہرلانوالہ ضلع گوجرانوالہ ہے۔

✿ دلیل راہ: والدین کے متعلق، والد صاحب بھی عالم دین تھے؟

☆ میرے والد صاحب کا نام فیضان علی ہے جو کہ بہت بڑے طبیب تھے۔ طبیب ہونے کے علاوہ آپ بہت بڑے زمیندار تھے، سوا ایکڑ زمین کے مالک تھے۔ میرے دادا حضرت مولانا پیر خواجہ عبدالحق رحمۃ اللہ علیہ جید عالم دین، صاحب طرز شاعر و ادیب تھے۔ آپ عربی اور فارسی میں شعر لکھا کرتے تھے۔ ہمارا خاندانی سلسلہ بیعت چشتیہ ہے اور میرے دادا جی گنگوہ شریف حضرت محمد یحییٰ صاحبؒ کے مبارک ہاتھوں پر بیعت تھے۔ دادا جی نے سماع کے موضوع پر ''اثبات سماع'' نامی کتاب بھی لکھی ہمارا خاندان گاؤں میں پیروں کا خاندان مشہور تھا لیکن ہمارے خاندان میں کوئی خطیب نہیں تھا میں اپنے خاندان میں پہلا شخص ہوں جس نے خطابت کی لائن میں عملی قدم رکھا۔

میرے دادا صاحب کرامت ولی تھے اپنی وفات کے سات سال بعد اپنے ایک مرید کو خواب میں نظر آئے اور فرمایا کہ میری قبر میں پنڈلیوں کے پاس پانی آ گیا ہے اس مرید نے یہ خواب میرے والد صاحب کو بیان کیا والد صاحب نے کچھ توجہ نہ دی۔ دادا جی دوبارہ اس کی خواب میں آئے اس نے دوبارہ والد صاحب سے عرض کی والد صاحب نے پھر کوئی خاص توجہ نہ دی تیسری مرتبہ دادا جی خواب میں آئے اور اسے پھر کہا کہ میری پنڈلیوں کے پاس پانی آ چکا ہے اس کا تدارک کرو جب تیسری بار اس نے والد صاحب سے عرض کیا تو والد صاحب نے قبر کشائی کا حکم دیا قبر کھولنے پر دیکھا گیا کہ دادا جی کا کفن تک میلا نہ ہوا تھا بال اور ناخن بڑھے ہوئے تھے اور واقعۃً آپ کی پنڈلیوں کے قریب زمین سے پانی رس رہا تھا چنانچہ قبر کی مرمت کروا دی گئی۔ گاؤں کے بہت سے لوگ اس واقعہ کے گواہ ہیں۔

✿ دلیل راہ: ابتدائی تعلیم اور تعلیم کے مختلف مراحل

☆ میں نے ابتدائی تعلیم دادا جی سے حاصل کی پھر اپنے دور کے بہت بڑے عالم دین اور اعلیٰ پایہ کے خطیب ابوالانوار حضرت مولانا محمد صابر صاحب کے زیر تعلیم رہا اس کے علاوہ ضلع شرق پور شریف کے قریب ایک بہت بڑے مدرسے جامع رضویہ اول الخیر میں بھی زیر تعلیم رہا اس کے علاوہ گوجرانوالہ اور سادھوگورایہ کے سکولوں میں بھی تعلیم حاصل کی، علامہ سید احمد سعید کاظمی علیہ الرحمہ نے مجھے اعزازی سند بھی عطا کی تھی۔

✿ دلیل راہ: زمانہ طالبعلمی میں رویہ کیسا تھا شوق سے پڑھتے تھے یا کہ جی چرا کر؟

☆ جیسا کہ میں نے پہلے عرض کیا کہ میرے خاندان میں سب پیر تھے، طبیب تھے اور روحانی پیشوا تھے خطیب یا مولوی کوئی نہیں تھا لہٰذا میں بھی طبیب بننا چاہتا تھا اور طب کا علم حاصل کرنا چاہتا تھا چونکہ طبی کتابیں عربی اور فارسی میں تھیں۔ مثلاً قرابہ دین، طب اکبر، شرح اسباب اس لئے مجھے عربی اور فارسی پڑھنا پڑھی۔ عربی فارسی پڑھتے پڑھتے میں علم دین کی طرف راغب ہو گیا

✿ دلیل راہ: زمانہ طالب علمی کا کوئی یادگار واقعہ؟

☆ زمانہ طالب علمی میں کوئی خاص واقعہ تو رونما نہیں ہوا لیکن مجھ میں ایک خصوصیت ضرور تھی کہ میں اپنے اساتذہ کا بہت مؤدب تھا میں نے ہمیشہ اپنے اساتذہ اور والدین کا بے حد احترام کیا۔ استاد مدرسے کے ہوں یا سکول کے ہر استاد کا ادب کیا۔

✿ دلیل راہ: اساتذہ میں کسی سے متاثر؟

☆ اپنے ہر استاد سے متاثر ہوں۔ وہ استاد ہی کیا جو متاثر نہ کرے۔

✿ دلیل راہ: آج کے طلباء کے لئے کوئی سبق:

☆ انسان کے عروج کے لئے چار چیزیں نہایت اہم کردار ادا کرتی ہیں:

1۔ ماں کی گود، 2۔ اساتذہ، 3۔ نصاب، 4۔ سوسائٹی

اگر انسان کو مندرجہ بالا چار چیزیں اچھی مل جائیں تو انسان کی زندگی بن جاتی ہے۔

✿ دلیل راہ: بیعت کب اور کس سے ہوئے؟ بیعت کے وقت آپ کی عمر کیا تھی؟

☆ 1949 میں سیال شریف حضرت شیخ الاسلام خواجہ محمد قمرالدین سیالویؒ سے بیعت ہوا۔ اس وقت میں جوان تھا خطابت کیا کرتا تھا اور

خطیب کی حیثیت سے مشہور بھی ہو چکا تھا۔ اگرچہ میں خود پیروں اور درویشوں کے خاندان سے تعلق رکھتا تھا میرے نانا ابی وقاص زلفوں والے پیر کے نام سے مشہور تھے اور دادا اور والد کے متعلق میں پہلے عرض کر چکا ہوں کہ اپنے وقت کے بہت بڑے پیر تھے لیکن میری دلی رغبت سیال شریف کی طرف ہوگئی۔

❁ دلیل راہ: مرشد منتخب کرنے کی کوئی خاص وجہ؟

☆ میرا ایک دوست سیال شریف کی باتیں اکثر سنایا کرتا تھا اگرچہ میں پہلے بھی سیال شریف کے متعلق جانتا تھا چنانچہ سرگودھا کے قریب ایک مقام یاراں والا ''99 چک'' ہے وہاں پر ہم گیارہ دوست حضور شیخ الاسلام سے بیعت ہونے کے لئے روانہ ہوئے۔ وہاں پہنچے تو میں نے پہلی بار حضرت شیخ الاسلام کی زیارت کی مجھ پر ان کا روحانی اثر اس قدر ہوا کہ میری آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ آپ نے حال احوال دریافت کیا کچھ گفتگو کے بعد آپ نے مجھے فرمایا کیا آپ خواجہ عمر دین طالب چشتی صاحب کے خاندان سے تعلق رکھتے ہیں، میں نے عرض کیا جی ہاں، آپ نے فرمایا کہ آپ ٹھہر جائیں چنانچہ آپ نے میرے ساتھیوں کو تو بیعت فرما لیا اور مجھے رات ٹھہرنے کا حکم دیا۔ میں بہت پریشان ہوا کہ مجھے کیوں نہ بیعت فرمایا۔ رات وہیں ٹھہرا۔ صبح ناشتہ کے وقت آپ نے مجھے بلایا اور بیعت فرمایا۔ میرے والد صاحب مجھے اپنے خاندانی سلسلہ میں حضرت پیر مہربان علی صاحب سے بیعت کروانا چاہتے تھے کیونکہ وہ مجھے مستقبل کا سجادہ نشین دیکھنا چاہتے تھے (ہمارے خاندان کے اکثر نام مولا علی کی نسبت سے رکھے جاتے ہیں مثلاً مہر بن علی، قربان علی، فیضان علی، وغیرہ) لیکن جب مجھے حضرت شیخ الاسلام نے خلافت عطا فرمائی تو میرے والد صاحب کی آنکھوں میں بھی خوشی سے آنسو آ گئے۔

حضرت شیخ الاسلام سے روحانی تعلقات کی بنا پر اللہ تعالیٰ نے بہت سے انعامات عطا فرمائے حضرت شیخ الاسلام مجھ پر بہت شفقت فرماتے تھے۔ ایک خاص انداز سے میرے لئے دعا فرماتے اور دعا کے وقت میرا ایمان ہوتا کہ یہ دعا اسی وقت مرتبہ قبولیت کو چھو رہی ہے۔ آپ کی تربیت اور توجہ سے سالکوں کو محبت، علم، سوز و گداز عطا ہوتا اور دنیاوی لالچ، حرص، ہوس جیسی اخلاقی رذائل سے پاکی نصیب ہوتی۔ آپ یقین کریں کہ تقریباً 60 سالہ دورِ خطابت میں کبھی کسی سے پیسہ نہیں مانگا حتی کہ کرایہ تک کا تقاضا نہیں کیا۔ توکل علی اللہ دین کی خدمت کے لئے نکلتا رہا۔

❁ دلیل راہ: مرید پر شیخ کے حقوق کیا ہوتے ہیں اور شیخ پر مرید کے کیا حقوق ہوتے ہیں؟

☆ مرید کو اپنے شیخ کی اتباع کرنی چاہئے۔ شرعی احکامات پر عمل اور شیخ سے محبت مرید کے لئے از حد ضروری ہے بلکہ ہر بندہ خدا سے محبت کرے واتبع سبیل من اناب الیّ اور شیخ کو چاہئے کہ مرید کی اصلاح کرے مرید کے لباس، کردار اور شخصیت عین شریعت کے مطابق بنانے کی کوشش کرے، اسے بندگانِ خدا کی طرف مائل کرے، پیغامِ مصطفےٰ مرید تک پہنچا کر اسے حضوری محبت و اتباع کی دولت سے مالا مال کرے۔

❁ دلیل راہ: مرشد میں کیا کیا صفات ہونی چاہئیں؟

☆ پیر اور مرشد کے لئے ضروری ہے کہ وہ صاحبِ علم ہو، صاحبِ نظر ہو اور صاحبِ دل ہو۔ سرکار دو عالم ﷺ سے نسبت اور والہانہ عشق رکھتا ہو۔ عشقِ رسول کے ساتھ، صحابہ، اہل بیت، اطہار اولیاء سے محبت کرتا ہو اور اس کا سلسلہ درجہ بدرجہ حضور کی ذات گرامی تک پہنچتا ہو۔

❁ دلیل راہ: آپ اپنے شیخ کے ہاں حاضری کتنے عرصہ بعد دیتے تھے؟

☆ میں تو ہر وقت حاضری میں رہتا ہوں۔ اب دیکھئے 8، 10 دن قبل سیال شریف حاضری کے بعد آیا ہوں اور اب پھر تیاری ہے۔ ہمیشہ سے حاضری کے بعد پھر تیاری میں رہتا ہوں۔ موجودہ سجادہ نشین امیر شریعت حضرت خواجہ حمید الدین سیالوی مدظلہ العالی کی خدمت میں حاضری دیتا رہتا ہوں۔ تقریباً 30 سال تک سیال شریف میں جوتی نہیں پہنی۔

❁ دلیل راہ: سنا ہے کہ حضرت شیخ الاسلام جب آپ سے ملنے آئے تو آپ نے جذبۂ شوق کے ساتھ چھت سے چھلانگ لگا دی تھی، اس واقعہ کی کچھ تفصیل۔۔۔۔۔۔؟

☆ جی ہاں یہ سچ ہے میں گوجرانوالہ میں مسجد کی چھت پر طلباء کو مثنوی شریف پڑھا رہا تھا کہ ایک شخص نے مجھے اطلاع دی کہ تمہارے پیرو مرشد آئے ہیں۔ پہلے تو مجھے یقین نہ آیا پھر میں نے اوپر سے جھانک کر دیکھا تو مجھے حضرت شیخ الاسلام کے فقط بازو نظر آئے۔ آپ وضو فرما رہے تھے، میں نے بازو پہچان لیئے اور خوشی کے مارے چھت سے چھلانگ لگا کر ان کی قدم بوسی کرنے لگا۔ آپ دفعتاً کھڑے ہو گئے اور مجھے سینے سے لگا لیا۔ فرطِ جذبات سے میں رونے لگا اور آپ کے ساتھ آنے والے ساتھی بھی رونے لگے، آپ کی آنکھوں میں بھی آنسو آ گئے۔ دراصل شیخ کی محبت نہ ہو تو بیعت کا کوئی فائدہ نہیں۔ مجھے تو جو کچھ بھی ملا ہے اپنے شیخ کی محبت سے ملا ہے۔

❁ دلیل راہ: مشاہیر میں سے کن کن بزرگوں کی زیارت نصیب ہوئی؟

☆ پیر جماعت علی شاہ علی پوری، مولانا عبد الحامد بدایونی، شیخ الحدیث مولانا سردار احمد فیصل آباد، پیر جماعت علی شاہ لاثانی، علامہ

ابوالبرکات، علامہ ابوالحسنات وغیرہ کی زیارت سے مستفید ہوا۔

✿ دلیل راہ: خطیبوں میں کس سے متاثر؟

☆ خطیبوں میں مولانا محمد عمر اچھروی، مولانا عبدالغفور ہزاروی، مولانا خورشید شاہ اور مولانا محمد یار صاحب سے بہت متاثر ہوں۔

✿ دلیل راہ: پاکستان میں کس کس مزار شریف پر حاضری دے چکے ہیں؟

☆ تقریر کے سلسلے میں جہاں بھی جانا ہوتا ہے تو راستے میں آنے والے ہر مزار پر جا کر حاضری دیتا ہوں۔ ویسے داتا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے دربار شریف اور حضرت شیخ الاسلام کے مزار شریف پر بہت سکون محسوس کرتا ہوں۔

✿ دلیل راہ: گوجرانوالہ میں کب، کیوں اور کیسے آئے؟

☆ نوجوانی میں ہی قلعہ دیدار سنگھ میں خطابت شروع کی اور وہیں سے مشہوری اور عزت ملی۔ حتیٰ کہ لوگوں سے جب مسجد بھر جاتی تو مسجد کے باہر زمین پر عورتیں گھروں سے چادریں لا کر بچھا دیتیں اور لوگ ان پر بیٹھ کر تقریر سنتے۔ 8 سال قلعہ دیدار سنگھ میں رہنے کے بعد سکھیکی میں 3 سال رہا اور پھر حضرت شیخ الاسلام کے حکم پر 1945 میں گوجرانوالہ آ گیا۔

✿ دلیل راہ: دینی کام کرنے میں کیسی رکاوٹوں کا سامنا کرنا پڑا؟ اور ان سے کیسے نمٹے؟

☆ مشکلات تو زندگی کا حصہ ہیں خصوصاً دینی کام کرنے کے دوران بہت سی مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ قلعہ دیدار سنگھ کے دورانِ قیام بہت سی مشکلات سے دو چار ہونا پڑا۔ کیونکہ وہ جگہ ''اغیار'' کی ریاست تھی۔ جب میں نے وہاں پر کام شروع کیا تو خواہ مخواہ مخالفت شروع ہوئی۔ مسلکی حوالے سے دشمنیاں پیدا کی گئیں حتیٰ کہ میری مسجد پر مسجدِ ضرار کا فتویٰ دے کر مسجد کو شہید کر دیا گیا اور ایوب خان کے مارشل لاء دور میں میرے خلاف جھوٹی باتوں کو بنیاد بنا کر درخواست دے دی گئی۔ میں بہت پریشان تھا۔ وہ ساری رات مصلے پر گذاری اور آنکھ لگی تو خواب میں حضرت شیخ الاسلام کی زیارت ہوئی۔ آپ نے فرمایا کہ جو لوگ اللہ کا کام کرتے ہیں اور رسول اللہ ﷺ سے محبت کرتے ہیں ان کو کچھ نہیں ہوتا۔ کوئی ان کا کچھ بگاڑ نہیں سکتا پھر آپ نے فرمایا کہ صبح عدالت میں یا اللہ یا کریم، یا اللہ حافظ، یا مقلب القلوب پڑھ کر جائیں۔ صبح اٹھا تو میں ہشاش بشاش تھا اور جب عدالت میں گیا تو فیصلہ میرے حق میں ہوا۔ مخالف گرفتار ہوا شہید کردہ مسجد دوبارہ تعمیر کرنے کا حکم ہوا چنانچہ آج بھی وہ مسجد شہیداں کے نام سے مشہور ہے۔

✿ دلیل راہ: دینی کارکن کو پیش آمدہ رکاوٹوں کے موقع پر کیا کرنا چاہئے؟

☆ دینی کارکن کو چاہئے کہ صبر کے ساتھ اللہ پر بھروسا رکھے۔ شیخ سے رابطہ رکھے، اگر دینی کارکن باکردار، خوددار اور غیور ہو تو اس کی باتوں میں اثر ہوتا ہے۔ آپ دیکھ لیجئے کہ 41 سال سے یہاں ہوں سب مجھے اپنے والد کی طرح عزیز جانتے ہیں اور عزت کرتے ہیں آج تک کسی آدمی نے میری گستاخی نہیں کی، شاید یہ وجہ ہے کہ میں نے کبھی لالچ نہیں کیا لوگوں کی جیبوں پر نظر نہیں رکھی، میرے ہزاروں مرید ہیں لیکن کبھی نذرانوں یا چندہ کی خواہش نہیں رکھی۔ دینی کارکن کو عابد، زاہد، عاشق رسول ہونا چاہئے۔

✿ دلیل راہ: بہت سے مسائل ایسے ہیں جن میں علماء اہل سنت کا آپس میں بھی اختلاف ہے۔ ایسے مسائل کو عوام میں مشہور کرنا کیسا ہے؟

☆ ایسے اختلافی مسائل جو خالصتاً علمی اور فروعی ہوں انہیں عوام میں اچھالنا قطعاً دانشمندی نہیں۔ علماء اہل سنت کو اس بات سے گریز کرنا چاہئے۔ دراصل تبلیغ میں حکمت بہت ضروری ہے اور ہمارے ہاں حکمت کا فقدان ہے۔

✿ دلیل راہ: علماء و مشائخ میں کس سے متاثر ہیں اور کیوں؟

☆ حضرت شیخ الاسلام خواجہ محمد قمر الدین سیالوی رحمۃ اللہ علیہ اور پیر سید ریاض حسین شاہ سے۔ اس لئے کہ ان میں علم ہونے کے باوجود غرور و تکبر نہیں ہے بلکہ اپنوں کی طرف سے دیئے گئے دکھ اور تکالیف پر صبر کرتے ہیں

عجب نہیں کہ خدا تک تیری رسائی ہو

✿ دلیل راہ: اتحاد بین المسلمین کا حقیقی تصور کیا ہے؟

☆ مسلمانوں میں افتراق و انتشار پیدا کرنا بہت بڑا جرم ہے، جو لوگ فرقہ واریت پھیلاتے ہیں وہ اسلام اور ملک وملت کے دشمن ہیں، اہل سنت و جماعت کو یکجا اور اتفاق و اتحاد سے زندگی گذارنا چاہیئے۔ اللہ و رسول کا عشق و محبت و ادب، صحابہ، اہل بیت اطہار اور اولیاء سے محبت کرنے والا مسلمان ہے اور کسی مسلمان کو ایذا دینا بہت بڑا گناہ ہے۔

✿ دلیل راہ: فرقہ واریت پر کیسے قابو پایا جا سکتا ہے؟

☆ اہل سنت و جماعت کوئی فرقہ نہیں۔ یہ اصل ہے اور اس میں سے جو لوگ نکلتے گئے وہ مختلف فرقوں کی شکل اختیار کرتے گئے، لیکن ہم جنگ و جدل اور دہشت گردی پر یقین نہیں رکھتے اور ملک پاکستان کی پُر امن فضا کو پائمال کرنا پسند نہیں کرتے، ہمارا ہتھیار قرآن و سنت ہے۔ بندوق، گولی وہ استعمال کرے جس کے پاس قرآنی دلائل نہ ہوں، اس لئے ہم فرقہ واریت کے خلاف ہیں۔ دوسروں کو نہ چھیڑو اور اپنا مسلک نہ چھوڑو کے فارمولے کے حامی ہیں۔

✿ دلیل راہ: اہل سنت و جماعت اکثریت میں ہیں۔ آپ اسے کس نظر سے دیکھتے ہیں؟

☆ پاکستان میں الحمدللہ اب بھی اکثریت اہل سنت و جماعت ہی کی ہے۔ اگرچہ تربیت کا فقدان ہے۔ بزرگوں کے مزارات پر حاضری دینے والے، عرس کی محافل، محافل میلاد، محافل نعت، قوالی کی محافل سجانے والے سب اہل سنت و جماعت ہی تو ہیں۔

✿ دلیل راہ: مختلف جہادی تنظیموں کے فلسفہ جہاد سے اختلاف ہے یا اتفاق؟

☆ جہاد اپنی اصل میں بہت بڑی نیکی ہے اور مسلمانوں پر حالات کے تحت فرض ہے لیکن یہ سب سٹیٹ کے تحت ہونی چاہیئے۔ خودکش حملے گناہ ہیں اور یہ کوئی دین نہیں۔ ہم اسی لئے کشمیر کو آزاد نہیں کرا سکے کہ من کل الوجوہ جہاد نہیں ہو سکا بلکہ جہاد کو بدنام کیا گیا۔ ویسے انفرادی طور پر قلمی، تبلیغی، اصلاحی، نفسانی جہاد کرنا چاہیئے اس کی بھی بہت ضرورت ہے۔

✿ دلیل راہ: سیاسی طور پر اہل سنت کی ابتر حالت کیسے سدھر سکتی ہے؟ کیا آپ نے عملی طور پر سیاست میں حصہ لیا؟ اگر نہیں تو کیوں؟ کیا سیاست کے میدان میں علماء اور مذہبی طبقہ کو آنا چاہیئے، اگر ہاں تو کیسے؟

☆ حضرت ابوبکر صدیق ﷺ سے لے کر حضرت امام حسن ﷺ اور دوسرے مسلمان زعماء نے حکمرانی کی۔ اس لئے سیاست و حکمرانی غیر دینی یا غیر اسلامی فعل نہیں، لیکن یہ ضروری ہے کہ سیاست خلفاء راشدین کی طرز پر ہو۔ میرے خیال میں علماء مشائخ اور مذہبی طبقہ کو سیاست میں ضرور آنا چاہیئے شاید اسی طرح ملک پاکستان کی تقدیر بدل جائے اور نظام مصطفےٰ کی بہاریں نصیب ہو جائیں۔ علامہ اقبال نے کتنا سچ کہا ہے کہ

جدا ہو دیں سیاست سے تو رہ جاتی ہے چنگیزی

نظام مصطفےٰ کو چھوڑنے کی وجہ سے مستقبل خطرے میں ہے، افسوس یہاں جھگڑا صرف اقتدار کا ہے۔ عملی طور پر میں نے سیاست میں خود بھی حصہ لیا۔ 1977 میں جے یو پی کی طرف سے الیکشن لڑا۔ گوجرانوالہ سطح پر مولانا پیر محمد سعید مجددی اور حاجی ابوداؤد صادق صاحب اور لاہور سے مولانا سلیم اللہ صاحب نے الیکشن میں میرے ساتھ بہت کام کیا۔ گوجرانوالہ کے تقریباً سبھی علماء نے میری مدد کی۔

✿ دلیل راہ: کبھی جیل کاٹی؟

☆ ختم نبوت کے جلسہ کی پاداش میں 8 دن جیل میں رہا۔

✿ دلیل راہ: سیاستدانوں کے بارے میں کیا کہنا پسند فرمائیں گے؟

☆ سیاست دان کسی کا دوست نہیں ہوتا وہ اقتدار کا دوست ہوتا ہے۔ صاحب اقتدار قابض ہیں اور جو صاحب اقتدار نہیں وہ قبضہ لینا چاہتے ہیں۔ ملک، قوم اور اسلام سے کسی کو دلچسپی نہیں۔ سولہ کروڑ عوام میں صرف ایک پی پی اور ایک بندہ لیڈر ہیں۔ یعنی پاکستان میں صرف ڈیڑھ لیڈر ہیں۔ اللہ والے، صاحب دل ونظر موجود ہیں لیکن کوئی پوچھتا ہی نہیں۔

✿ دلیل راہ: زندگی میں کون کون سی یادگار تحریکیں دیکھیں اور کن کن میں حصہ لیا؟

☆ جی ہاں، دینی و مذہبی بنیاد رکھنے والی ہر تحریک میں کام کیا۔ تحریک ختم نبوت، تحریک نظام مصطفےٰ میں بہت کام کیا۔ حضرت شیخ الاسلام اور نورانی صاحب کے ساتھ مل کر کام کیا۔ سوشلزم اور کمیونزم کے خلاف سب سے بڑھ کر کام کیا۔ شاید ان موضوعات پر کسی نے اتنا کام نہ کیا ہو، جگہ جگہ تقریریں کیں اور اسلام کے مکمل ضابطہ حیات ہونے کو ثابت کیا۔

✿ دلیل راہ: آپ کی ازدواجی زندگی؟ شادی کب، اولاد کتنی؟

☆ میری شادی 1947ء میں ہوئی۔ میری بیوی ایک ولی اللہ خواجہ عمر دین رحمۃ اللہ علیہ کی اولاد سے ہیں۔ بابا جی قاسم علی رحمۃ اللہ علیہ کی پوتی ہیں جو بہت بڑے بزرگ تھے۔ میری بیوی سارا دن ذکر واذکار میں مصروف رہتی ہیں۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے نہایت فرمانبردار اور با کردار اولاد سے نوازا ہے۔ میرے 4 بیٹے اور 4 بیٹیاں ہیں۔ جن میں سے ایک بیٹا ساجد فوت ہو گیا۔ لوگ دعا کرتے ہیں کہ چشتی صاحب جیسی اولاد اللہ ہر ایک کو نصیب کرے۔ وہ اب بھی میرے پاؤں کو ہاتھ لگاتے ہیں، مجھے علم بھی نہیں ہوتا اور وہ میرے اکاؤنٹ میں خود بخود پیسے جمع کرواتے رہتے ہیں۔ یہ ان کی سعادت مندی ہے۔ میری اولاد الحمدللہ جدید تعلیم یافتہ ہے۔ سب انگلینڈ میں پڑھے ہیں اور Highly Qualified ہیں۔ دینی رغبت رکھتے ہیں اور اللہ کے فضل سے رقیق القلب اور سوز وگداز کے مالک ہیں۔ ایک بیٹے نے M.B.A، دوسرا کیپٹن اور تیسرا اپلیٹیکل سائنس میں ماسٹرز کرنے کے بعد اپنا بزنس کر رہا ہے۔

✿ دلیلِ راہ: بچوں کا باقاعدہ دینی تعلیم نہ دلانے کی وجہ:

☆ جیسا کہ میں نے بتایا ہے کہ میرے بچے انگلینڈ کی یونیورسٹیز سے فارغ التحصیل ہیں، لیکن الحمدللہ دینی رابطہ ان کا بہت قوی ہے۔ رقیق القلب اور سوز وگداز کے مالک ہیں۔ میرا بیٹا ساجد جو فوت ہو گیا ہے جب بھی مدرسے میں آتا تو ہر طالب علم کو پیسے دیتا اور ان سے قرأت و نعتیں سنتا۔ میں نے اپنے بچوں کی دینی تربیت خود کی ہے۔ اللہ کا شکر ہے کہ وہ مسلکِ اہلِ سنت و جماعت پر پختہ اور کامل ایقان رکھتے ہیں اور مجھے ان کے بہکنے کا کوئی خدشہ تک نہیں، رہی یہ بات کہ وہ "مولوی" کیوں نہیں بنے؟ تو اس سوال نے میری دکھتی رگ کو چھیڑ دیا ہے۔ میرے بچے دراصل بہت حساس ہیں۔ انہوں نے اپنے باپ یعنی میری زندگی کو دیکھا ہے، کہ ایک مولوی کی زندگی کا اوڑھنا بچھونا صبر ہے، شاید مولوی مظلوم ترین طبقہ ہے۔ اس کی زندگی بہت مشکل ہے۔ اس کے ہر فعل پر اعتراض کیا جاتا ہے، یہ کھانا کھائے تو اعتراض، پانی پئے تو اعتراض، اچھے کپڑے پہن لے تو اعتراض، میرے الیکشن کے دنوں میں یا دیگر ایام میں لگنے والے جھوٹے الزامات کو شاید میرے بچے برداشت نہ کر سکے وہ دلبرداشتہ ہو گئے۔ جو مصیبتیں میں نے بطور خادمِ دینِ رسول ﷺ جھیلی ہیں شاید وہ ان مشکلات کا سامنا کرنے کا حوصلہ نہ پا رہے تھے۔ اس لئے وہ عملاً اس فیلڈ میں نہ آئے۔ اپنی ماں سے میرے بچوں نے کہا کہ ہم پڑھیں گے لیکن اس قوم کے آگے روٹیوں کے ٹکڑے نہیں مانگیں گے۔

✿ دلیلِ راہ: اکثر علماء کے بچے علمِ دین کی طرف نہیں آتے اس کی کیا وجہ ہے؟

☆ وجہ میں نے بیان کر دی کہ علماء کی زندگی اس قدر مشکل بنا دی گئی ہے کہ بچے اس طرف آنے سے گھبراتے ہیں لیکن الحمدللہ پھر بھی بہت سے علماء کی اولاد عملاً اس راہ میں قدم رکھ رہی ہے۔ ویسے بھی اصل بات تو خود کو مسلمان بنانا ہے۔ اگر نفس مسلمان نہیں تو لوگوں کو تبلیغ کا کیا فائدہ؟

✿ دلیلِ راہ: آپ کا پسندیدہ شاعر؟ شاعری میں کون استاد ہے؟ اصلاح کس سے لیتے رہے؟

☆ میں خود ایک شاعر ہوں کافی تعداد میں حمد و نعت، منقبت، غزل لکھی ہیں لیکن ابھی تک چھپوا نہیں سکا۔ چھپوانے کا ارادہ ضرور ہے۔ شاعری میں استاد کوئی نہیں۔ شاعری میری فطرت میں شامل ہے۔

✿ دلیلِ راہ: پسندیدہ شعر؟

☆ سنتے ہیں پہلو میں دل ہے — ہم بھی پہلو میں رہے

✿ دلیلِ راہ: تصانیف؟

☆ (۱) عروج المحبوب (معراج شریف پر)

(۲) ضیائے دل (سوشلزم اور کمیونزم کے خلاف)

✿ دلیلِ راہ: محبت کیا ہے؟

☆ محبت ازلی ابدی چیز ہے۔ اگر حضور کی پیروی کریں تو خدا بھی محبت فرماتا ہے۔ یحببکم اللہ

✿ دلیلِ راہ: آپ کے نزدیک "زندگی" کی تعریف؟

☆ زندگی ایک ایسا فلسفہ ہے جو موت کو یاد دلاتا ہے۔ یوں کہہ لیجئے کہ زندگی موت کی یاد ہے۔

✿ دلیلِ راہ: زندگی کا کون سا حصہ خوشگوار نظر آتا ہے؟

☆ جب سے اللہ و رسول کی تعریف شروع کی اور حضرت شیخ الاسلام سے بیعت کی زندگی میں بھرپور لطف و سرور آ گیا۔ ویسے تو بچپن سے عزت ملی اور لوگوں نے محبت دی لیکن لطف بیعت کے بعد ہی آیا۔

✿ دلیلِ راہ: آپ مضطرب کب ہوتے ہیں؟

☆ دل اکثر مضطرب رہتا ہے۔ نعت خوانی، قوالی، بیان میں خوش رہتا ہوں۔ اگر خطابت نہ کرتا تو شاید مر گیا ہوتا۔

✿ دلیلِ راہ: زندگی میں کسی چیز کی کمی محسوس کرتے ہیں؟

☆ کوئی محرمِ راز نہیں ملا

✿ دلیلِ راہ: پسندیدہ موسم؟

☆ موسمِ بہار ہی اچھا لگتا ہے لیکن اگر دل اداس ہو تو کوئی موسم اچھا نہیں

محفل میں جا کے بھی میری تنہائی نہیں گئی

✿ دلیلِ راہ: بار بار سمجھانے پر بھی اگر کوئی نہ مانے یا سمجھے تو کیا کرتے ہیں؟

☆ پھر خاموش ہو جاتا ہوں

✿ دلیلِ راہ: بادل، بارش یا دھوپ کیا اچھا لگتا ہے؟

☆ بوندا باندی، پھوار، ساون اور ایسے موسم میں حضور ﷺ کی یاد اور ان کا ذکر

✿ دلیلِ راہ: بیرونِ ملک جانے کا اتفاق ہوا؟

☆ امریکہ، سویڈن، ڈنمارک، فرانس، برطانیہ اور ہالینڈ وغیرہ

✿ دلیلِ راہ: پاکستان اور ان ممالک کے معاشرے میں بنیادی فرق کیا ہے؟

☆ وہ معاشرہ فراخ دل اور حسد سے بالا ہے۔ اگر ہم سیرت رسول پر عمل کریں تو ان سے بہتر معاشرہ تشکیل دیا جا سکتا ہے۔ مسلمانوں کو تربیت یافتہ ہونا چاہیئے۔

✿ دلیلِ راہ: کتنے لوگ آپ کے ہاتھوں مسلمان ہوئے؟

☆ جی ہاں الحمدللہ تقریباً 40 افراد میرے ہاتھوں مسلمان ہوئے۔

✿ دلیلِ راہ: دیہات اچھے لگتے ہیں یا شہر؟

☆ جہاں عزت ہو، الحمدللہ مجھے شہر و دیہات ہر جگہ اللہ نے محبت و عزت سے نوازا ہے۔

✿ دلیلِ راہ: پہاڑ، ریگستان یا جنگل کیا اچھا لگتا ہے؟

☆ جنگل و بیاباں میں کسی پیارے کی یاد

✿ دلیلِ راہ: کامیابی کے لئے کس بات پر یقین رکھتے ہیں؟

☆ ایک عربی شعر کا مفہوم ہے کہ "عید نئے کپڑے پہننے سے نہیں ہوتی بلکہ عید تو اس وقت ہوگی جب پل صراط سے صحیح سلامت گذر جائیں گے۔" تو روٹی، کپڑا اور اعلیٰ مکان کامیابی نہیں بلکہ کامیابی تو اخروی زندگی سے تعلق رکھتی ہے۔

✿ دلیلِ راہ: زندگی میں کبھی کسی ناکامی کا بھی سامنا کرنا پڑا؟

☆ اللہ نے ہر مقام پر کامیابی سے نوازا اور کہیں بھی ناکامی نہیں ہونے دی۔

✿ دلیلِ راہ: قبولیت دعا کا وقت ہو تو اللہ سے کیا مانگیں گے؟

☆ ربنا اتنا فی الدنیا حسنة و فی الاخرة حسنة وقنا عذاب النار

✿ دلیلِ راہ: آپ کا پسندیدہ لباس؟

☆ سفید شلوار قمیض، شیروانی، جناح کیپ۔ وغیرہ

✿ دلیلِ راہ: پسندیدہ رنگ

☆ سفید

✿ دلیلِ راہ: پسندیدہ خوشبو؟

☆ گلاب

✿ دلیلِ راہ: پسندیدہ کھانا؟

☆ بہت کم کھاتا ہوں بلکہ میرا کم کھانا مشہور ہے۔ شاید یہی میری اچھی صحت کا راز ہو۔

✿ دلیلِ راہ: پسندیدہ پھول؟

☆ گلاب کا پھول

۞ دلیل راہ: پسندیدہ شہر؟

☆ مدینہ پاک

۞ دلیل راہ: پسندیدہ پھل؟

☆ کیلا

۞ دلیل راہ: پسندیدہ لیڈر؟

☆ حضرت شیخ الاسلام کے علاوہ کوئی نظر نہیں آیا

۞ دلیل راہ: پسندیدہ حکمران؟

☆ ایوب خان صرف اس لئے کہ اس نے گیارھویں شریف و میلاد شریف کو منانے کا اعلان کیا تھا۔

۞ دلیل راہ: پسندیدہ کھیل؟

☆ ہاکی

۞ دلیل راہ: پسندیدہ کھلاڑی:

☆ دلچسپی نہیں

۞ دلیل راہ: پسندیدہ مشروب؟

☆ Diet بوتل

۞ دلیل راہ: پسندیدہ کتاب؟

☆ اللہ کی کتاب قرآن پاک، اولیاء اللہ کے حالات پر مشتمل کتب بھی شوق سے پڑھتا ہوں

۞ دلیل راہ: پسندیدہ لفظ؟

☆ یارسول اللہ

۞ دلیل راہ: پسندیدہ سواری؟

☆ گھڑ سواری

۞ دلیل راہ: زندگی میں کبھی عشق بھی کیا؟

☆ عشق نہ کرنے والا بندہ ہی نہیں

عشق کے خورشید سے شام اجل شرمندہ ہے
عشق سوز زندگی ہے تا ابد پائندہ ہے

۞ دلیل راہ: زندگی میں سب سے زیادہ صدمہ کب ہوا؟

☆ جب میرا بیٹا ساجد فوت ہوا۔ لیکن الحمدللہ! اللہ کی ناشکری کے الفاظ نہ نکلے۔ میں نے گھر والوں اور بچوں کو بٹھا کر صبر کی تلقین کی۔ بہر حال دلی صدمہ بہت ہوا۔

۞ دلیل راہ: تنہائی اچھی لگتی ہے یا محفل؟

☆ محفل پسند ہوں مگر عقلمندوں اور پڑھے لکھے لوگوں کی

سب سے زیادہ تھکتا ہے اسی وقت آدمی
جس وقت بے وقوف سے ہوتا ہے ہمکلام

۞ دلیل راہ: انسانی زندگی کے بارے میں آپ کا تجزیہ کیا ہے؟ اس میں انسانی ارادہ اور اختیار کی کیا اہمیت ہے؟

☆ انسان کو ایسے کام کرنے چاہییں کہ مرنے کے بعد بھی یاد رہے۔ اور مشعل راہ ثابت ہوں۔ اپنی یادیں باقی رکھنا چاہیے۔ مخلوق خدا سے پیار کرے۔

۞ دلیل راہ: اپنا ایک شعر

کیسے کسی کو چاہوں تیرے دیکھنے کے بعد
قربان کیوں نہ جاؤں تیرے دیکھنے کے بعد
کیسے شکار کرتے ہو مژگاں کے تیر سے

دل کو کہاں لگاؤں تیرے دیکھنے کے بعد

✿ دلیل راہ: زندگی کے مختلف مراحل دیکھنے اور تجربہ حاصل کرنے کے بعد آپ ''دوستی'' کے متعلق کیا کہنا چاہیں گے؟ دوست کسے کہتے ہیں؟ کیا اس دور میں دوست موجود ہیں؟

☆ دوستی بہت احتیاط سے کرتا ہوں شاید اسی لیے بہت کم دوست بنائے ہیں۔

✿ ✿ ✿

درد شعلہ بھی ہے، خوشبو بھی ہے، آواز بھی ہے

حافظ شیخ محمد قاسم

سید عبدالمنان شاہ صاحب، شاہ جی کے چچا ہیں اور یہ بات بلا تردد کہی جاسکتی ہے کہ شاہ جی کی محفل میں مشاہدات کی لذتیں حاصل کرنے والا شاید ہی کوئی شخص ہو جو چچا جی محترم سے شناسا نہ ہو۔ طویل قامت، کتابی چہرہ، شگفتہ پیشانی، متبسم لب اور سادگی کا مرقع چچا جی روح و روحانیت کی دنیا میں چچا جی ہی کے لقب سے معروف ہیں بلاشبہ یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ سالہا سال کی ریاضت جو کیفیت، سرور اور سکون دل اور دماغ میں پیدا نہیں کر سکتی وہ چچا جی کے چہرے پر نظر ڈالنے سے حاصل ہو جاتی ہے۔ آپ جس بے نفسی، خودداری، استغنا، اور عشق و مستی میں زندگی گزارتے ہیں وہ انہی کا حصہ ہے۔ بڑے پیر صاحب نے آپ ہی کے بارے میں فرمایا تھا، یہ سرزمین ہزارہ پر ''کوکب دری'' کی طرح ضوفشاں ہے۔ آپ کا رہنا سہنا مجذوبوں کی طرح ہے چاہیں تو دو دو آدمیوں کے سامنے بارہ بارہ گھنٹے عشق رسول ﷺ اور محبت الٰہیہ کے موضوع پر گفتگو فرماتے رہیں اور میلان طبع نہ ہو تو چھ چھ مہینے نظر نہ آئیں۔ اٹھارہ سال تک شادی کے بعد اللہ تعالیٰ نے آپ کو اولاد نہ عطا فرمائی۔ آپ نے ہمارے شاہ جی کو بیٹا بنایا اور یہ کبھی نہ فرمایا کہ شاہ جی ان کے بھتیجے ہیں بلکہ آپ اب بھی فرماتے ہیں ''سید ریاض حسین شاہ ہی میرا بیٹا ہے'' میری آنکھوں کا سکون اور دل کی ٹھنڈک ہے۔ آپ اکثر یہ بات فرماتے ہیں کہ کتابی علم انسان کو بھول جاتا ہے، حافظے نسیان کا شکار ہو جاتے ہیں۔ مرور زمانہ اوراق کو شستہ کر دیتا ہے لیکن باطن کا علم لامحدود ہوتا ہے۔ یہ فانی نہیں ہوتا اس لئے کہ اس کا معلم باقی ہوتا ہے۔ طالب کا عشق اور مطلوب کا جلوہ جب دونوں مل جائیں زمین و آسمان اپنے دروازے کھول دیتے ہیں۔ میں مطمئن ہوں کہ میں نے اپنی آغوش میں رب کی رضا پالی ہے۔ لالہ جی علیہ الرحمہ فرمایا کرتے تھے لوگوں کے سورج افق سے طلوع ہوتے ہیں ہمارا سورج کوثالی سے طلوع ہوا ہے۔ شاہ جی کو لالہ جی علیہ الرحمہ، بڑے بابا جی قدس سرہ العزیز اور چچا جی صاحب نے روحانی شفقتوں میں پالا ہے۔ بڑی بی بی جی علیہا الرحمۃ کی تو بات ہی کیا ہے۔ آپ جب تک پانچ پاروں کی تلاوت نہ فرما لیتیں بچوں کو ناشتہ تیار کر کے نہ دیتی تھیں۔ ایک مرتبہ لاہور کے سفر میں مجھے بالکل چھوٹی عمر میں یہ عزت ملی کہ میں اماں جی کی خدمت پر مامور ہوا۔ آپ کو بتاتا چلوں کہ بی بی جی اور اماں جی دونوں لقب شاہ جی کی والدہ محترمہ کے تھے۔ آپ نے تمام علوم اور فنون دورۂ حدیث شریف تک باقاعدہ پڑھ رکھے تھے۔ حضرت محدث پڈھانوی، علامہ عبدالحق افغانی قندھاری کی سگی بہن جو کنواری بی بی کے نام سے معروف تھیں۔ آپ کی معلمہ تھیں۔ حضرت قاضی رفیع اللہ جو خیر آباد کے علماء کی مجسم سند تھے کنواری بی بی کے سگے چچا اور استاد لگتے تھے اماں جی علیہا الرحمہ اس گھرانے کے علمی ورثہ کی پاسبان تھیں۔ عبادت اور تدریس کا ایک خاص ذوق تھا۔ کوثالی شریف میں سینکڑوں عورتوں اور سینکڑوں بچوں کو قرآن مجید پڑھانے کا اعزاز رکھتی تھیں۔ میرا چونکہ بچپن میں شاہ جی کے گھر آنا جانا رہتا تھا اس لئے میں جانتا ہوں کہ اماں جی قدس سرہ العزیز ساری ساری رات مصلے پر رہتیں۔ بڑے بابا جی اور اماں جی دونوں رات کو دس دس پارے قرآن مجید پڑھتے، اماں جی اگر رات کو منزل پوری نہ فرما سکتیں تو صبح ناشتہ تیار کرتے ہوئے پڑھ لیتیں۔ دونوں کا معمول تھا کہ ہر روز پانچ پانچ ہزار مرتبہ درود شریف پڑھتے۔ بابا جی اور اماں جی دونوں اپنے اپنے انداز میں فرمایا کرتے ذکر، درود اور تلاوت ہمارا تاریخی، روحانی اور خاندانی ورثہ ہے۔ ایک بار شاہ جی سے کسی صحافی نے سوال کیا آپ کی تحریروں میں ادب کی چاشنی قارئین کو فرحت بخشتی رہتی ہے اس کی وجہ کیا ہے؟ شاہ جی نے فرمایا میری والدہ میری پہلی معلّمہ ہیں یہ الگ بات ہے جب میں نے قرآن حکیم پڑھنا شروع کیا حضرت بابا جی عبدالرحمٰن قادری جو فقیر صاحب کے نام سے مشہور تھے اور تقریباً ایک سو تیس چالیس سال عمر پائی تھی۔ ہمارے گھر میں تشریف فرماتے تھے انہوں نے مجھے ''بسم اللہ الرحمٰن الرحیم'' پڑھائی اس کے بعد اماں جی نے قرآن مجید پڑھانا شروع کیا۔ نور نامہ، وعظ عبداللہ، پکی روٹی، کچی روٹی، مسی روٹی، سیف الملوک، چند مہ عطار، گلستان، بوستان اور بابا بلھے شاہ کا کلام لفظاً لفظاً پڑھایا۔ فارسی اسباق والد گرامی پڑھاتے تھے۔ یقین جانیئے میں جب چھٹی کلاس میں پڑھتا تھا مجھے فارسی، عربی، اردو، ہندکو اور پنجابی کے ان گنت اشعار یاد تھے۔ ایسا بچہ جس کا بچپن شعر و ادب اور ساتھ ساتھ قرآن کے حسن المآب ماحول میں گذرا ہو فطرت کچھ نہ کچھ تو اُسے عطا کر دیتی ہے ممکن ہے ادب کا رنگ میری ابتدائی تربیت کا عکس ہو۔

شاہ جی فرماتے ہیں: محترم چچا جی عملی تصوف کا پیکر ہیں انہوں نے ابتداء ہی میں مجھے حضرت سلطان باہو کی عین الفقر، کشف المحجوب، رسالہ قشیریہ اور مکتوبات شریف کا مطالعہ کرایا۔ انداز حکمت کی روشنیوں سے درخشندہ تھا آپ مجھ سے سنتے تھے اور میں لفظاً لفظاً یہ کتابیں چچا جی زید مجدہ کو سناتا۔ کچھ باتیں سمجھ آتیں اور کچھ سمجھ نہ آتیں لیکن چچا جی کا اصرار ہوتا سمجھ آئے نہ آئے مجھے ایک ایک لفظ سناؤ۔ اس زمانے میں مجھے تصوف کی صرف یہی بات سمجھ آئی دل کو غیر سے مشغول نہ کرو اور اپنی انتہائی صلاحیتیں معاشرے میں روحانی تبدیلی کے لئے کتاب و سنت کی تعلیم و ارشاد میں کھپاؤ۔ سیکھنے، عمل کرنے اور سکھانے کا عمل شروع ہی میں عادت بن گئی۔

اتفاق ہوا اور میں نے ایک دن چچا جی محترم سے پوچھ لیا شاہ جی کی ابتدائی زندگی کیسی تھی۔ آپ نے فرمایا سید ریاض حسین شاہ نے بڑی

محنت کے ساتھ تعلیم حاصل کی۔ ایک دلچسپ بات بتاؤں کہ گاؤں کے اکثر لوگ شہروں میں ملازم تھے اور بوڑھی خواتین اپنے بیٹوں بھتیجوں کو خط لکھنے میں دقت محسوس کرتی تھیں۔ سید ریاض حسین شاہ تمام گاؤں والوں کا فی سبیل اللہ مراسلہ نویس تھا۔ سارے خطوط لکھتا کسی گھر میں سودا سلف ختم ہو جاتا تو درون خانہ محصور سفید پوش لوگوں کی مدد کرتا۔ گندم کی پسوائی کے لئے پن چکیاں گاؤں سے دور تھیں۔ چچاجی نے فرمایا آپ کے شاہ جی کی عجیب ٹھرک تھی کندھے پر گندم کے چھوٹے چھوٹے تھیلے اٹھا کر پن چکی پر جاتے اور اس طرح آٹا گھروں تک پہنچا کر بیواؤں اور بوڑھوں کی مدد کرتے۔ مجبور و محصور پردہ دار خواتین دعا دیتیں۔ اللہ آپ کو شہنشاہ بنائے۔ آج جب میں ملک کے طول و عرض میں ''شہنشاہ شہنشاہ ریاض شاہ ریاض شاہ'' کے نعرے سنتا ہوں تو لگتا ہے سینکڑوں نادار اور محتاج لوگوں کی تڑپتی دعاؤں نے میرے بیٹے کو بے تاج بادشاہ بنا دیا ہے۔ اللہ اس میں بڑا بننے کا جذبہ کبھی پیدا نہ کرے وہ چھوٹا رہ کر ہی معاشرے میں ترویج دین کا کام کرتا رہے۔

ایک خاص بات جو رہ گئی کہ ہمارے گاؤں میں پہاڑ پر پگڈنڈیوں سے ایک جگہ اسم ذات ''اللہ'' لکھا ہوا ہے۔ ہزاروں لوگ اس کی زیارت کرتے ہیں۔ اس پہاڑ کے نیچے ایک بہت بڑی غار ہے ہماری زبان میں غار کو کالام کہتے ہیں۔ ریاض حسین شاہ کی عادت تھی کہ وہ اس غار میں کتنے کتنے دن قیام کرتا تھا۔ تفصیلی کہانی اسی سے کبھی پوچھیے۔ وہاں تجربات اور مشاہدات کیسے رہے؟ لیکن طبیعت میں انقطاع تھا اور بیعت سے پہلے بھی وہ کلمہ طیبہ اور کلمہ شہادت کا ورد کرتا اس ذکر نے اس کی طبیعت میں سلاست اور استقامت پیدا کر دی۔ نظریات قطعی اور دوٹوک ہو گئے۔ ہماری خاندانی تربیت ہے ہم ولی، غوث اور قطب وغیرہ اصطلاحیں استعمال کرنے سے گریزاں رہتے ہیں لیکن میں اتنا کہوں گا سید ریاض حسین شاہ کی تربیت میں ایک مسلمان کی زندگی کی تڑپ محسوس ہوتی ہے۔

ایک بات سنا کر اس عنوان پر گفتگو کو سمیٹ لوں گا اس زمانے کی بات ہے جب شاہ جی فرسٹ ایئر میں کالج میں داخل ہوئے۔ نمازی پکا تھا لیکن صبح کی نماز میں سستی ہو جاتی اور پھر قضا پڑھتا۔ اس کمزور عملی پر وہ بہت پریشان رہتا ایک دن چوہڑپال کی قبرستان والی عیدگاہ میں گرمیوں کی دوپہر میں اس کی ملاقات ایک خوبصورت چہرے والے بزرگ سے ہوئی اور انہوں نے پوچھا سید زادے پریشانی کیا ہے۔ سید ریاض حسین نے کہا صبح کی نماز رہ جاتی ہے، آنکھ نہیں کھلتی، اللہ کے اس بندے نے دل پر ہاتھ رکھا اور دعا دی اور خود غائب ہو گئے، اس کے بعد شاہ جی کی پریشانی دور ہو گئی اور نماز کی پابندی آ گئی۔ چچاجی نے تو فرمایا بزرگ خضر علیہ السلام تھے لیکن شاہ جی جس ماحول میں رہتے ہیں ہمیشہ اس کے تقاضوں میں ہی پھنسے رہتے ہیں ہم بڑی ٹوہ لگاتے ہیں کہ سمندر سے کوئی موتی ہاتھ لگ جائے لیکن شاہ جی بڑے گہرے آدمی ہیں۔ آپ سے پوچھا کیا آپ کی ملاقات خضر علیہ السلام سے ہوئی آپ نے معمول کے مطابق فرمایا چھوٹا آدمی ہوں، گناہوں کی دلدل میں پھنسا ہوں، زندگی امتحان بنی ہوئی ہے۔ کامیابی اسی دن ہوگی جب اللہ راضی ہو جائے گا اور حضور ﷺ فرما دیں گے یہ میرا ہے۔

سجدے، رکوع اور قیام سب سے اللہ کے سامنے عاجزی سیکھی ہے۔ اللہ کے بندے بہت ملے ہیں ان میں کون کیا تھا اور کیا کون تھا، اللہ ہی جانے، لیکن یہ سچ ہے ایک اللہ کے بندے ملے تھے اور ان کی نظر اور دعا نے بہت کچھ دیا ہے۔ میرا یقین ہے میرے پیر صاحب کے حضور حاضری سب کچھ دعاؤں ہی کا نتیجہ ہے اور پاکیزہ نگاہوں ہی کا فیضان ہے۔

اس وقت میں صرف اس لئے پریشان ہوں کہ میری قوم حالات کے جس خوفناک سمندر میں ڈوبے جا رہی ہے اسے کس طرح بچایا جائے۔ مادی فلسفے، مغربی استعمار کی غلامی، افرنگی تقلید، تہذیبی سازشیں اور ریاستی غفلتیں کیا بچا ہے ہمارے پاس، آؤ! کوشش کریں من کے سومنات اور نفوس کے فسوں ٹوٹ جائیں اور قوم سمجھ جائے بڑا اللہ ہی ہے اور عزت غلامی رسول ہی میں ہے اور سچا راستہ اللہ والوں کا ہے۔

شاہ جی پر جب سے لکھنا شروع کیا ان کا قرب اور ان سے دوری دونوں ہی مسئلہ بن گئے ہیں۔ حافظ نے کیا خوب کہا:

تیری دوری سے میرے دل نے یہ محسوس کیا
درد شعلہ بھی ہے خوشبو بھی ہے آواز بھی ہے

✿ ✿ ✿

شہسوارِ کربلا

ابو الاثر حفیظ جالندھری

لباس ہے پھٹا ہوا غبار میں اٹا ہوا
تمام جسمِ نازنیں چھدا ہوا کٹا ہوا
یہ کون ذی وقار ہے بلا کا شہسوار ہے
ہزاروں قاتلوں کے سامنے ہے جو ڈٹا ہوا
یہ بالیقین حسینؓ ہے
نبی ﷺ کا نورِ عین ہے

یہ جس کی ایک ضرب سے کمالِ فنِ حرب سے
کئی شقی گرے ہوئے تڑپ رہے ہیں کرب سے
غضب ہے تیغہ دوسر کہ ایک ایک وار سے
اٹھی صدائے الاماں زبانِ شرق و غرب سے
یہ بالیقین حسینؓ ہے
نبی ﷺ کا نورِ عین ہے

یہ کون حق پرست ہے مئے رضا سے مست ہے
کہ جس کے سامنے کوئی بلند ہے نہ پست ہے
اُدھر ہزار گھات ہے مگر عجیب بات ہے
کہ ایک سے ہزار کا حوصلہ شکست ہے
یہ بالیقین حسینؓ ہے
نبی ﷺ کا نورِ عین ہے

عبا بھی تار تار ہے تو جسم بھی فگار ہے
زمین بھی تپی ہوئی فلک بھی شعلہ بار ہے
مگر یہ مردِ تیغ زن یہ صف شکن فلک شکن
کمالِ صبر و تن دہی سے محوِ کارزار ہے
یہ بالیقین حسینؓ ہے
نبی ﷺ کا نورِ عین ہے

دلاوری میں فرد ہے بڑا ہی شیر مرد ہے
کہ جس کے دبدبے سے دشمنوں کا رنگ زرد ہے
حبیبِ مصطفیٰ ﷺ ہے یہ مجاہدِ خدا ہے یہ
جبھی تو اس کے سامنے یہ فوج گرد برد ہے
یہ بالیقین حسینؓ ہے
نبی ﷺ کا نورِ عین ہے

اُدھر سپاہِ شام ہے ہزار انتظام ہے
اُدھر ہیں دشمنانِ دیں اِدھر فقط امام ہے
مگر عجیب شان ہے غضب کی آن بان ہے
کہ جس طرف اُٹھی ہے تیغ بس خدا کا نام ہے
یہ بالیقین حسینؓ ہے
نبی ﷺ کا نورِ عین ہے

اہلسنت کا روشن ماضی

قاضی مصطفیٰ کامل

''سُنی کانفرنس'' کے الفاظ ایک ایسی تاریخی اصطلاح بن چکی ہے کہ یہ الفاظ جب بھی سامنے آتے ہیں تو آل انڈیا سُنی کانفرنس بنارس کی یاد تازہ ہو جاتی ہے۔ یہ کانفرنس مارچ 1946 کے ایسے تاریخی موڑ پر منعقد کی گئی جب تحریکِ پاکستان کو ناکام بنانے کے لیے متحدہ ہندوستان کی سب سے بڑی سیاسی پارٹی کو حکمران انگریزوں کی سرپرستی بھی حاصل تھی۔ ہندو قیادت نے کمال عیاری سے ہندو مسلم بھائی بھائی کا دلفریب نعرہ بلند کر کے بعض مسلم رہنماؤں کو بھی اپنا اسیر بنا رکھا تھا جن میں ابوالکلام آزاد جیسے بلند پایہ دینی سکالر اور دیوبند کے عالم دین حسین احمد مدنی اور ان کے رفقا بھی شامل تھے۔ ابوالکلام آزاد تو باقاعدہ آل انڈیا کانگرس میں شامل تھے بلکہ اس کے نمائشی صدر بھی رہے تھے۔ جبکہ علمائے دیوبند کی مشہور جماعت جمعیت علمائے ہند (جمعیت علماء اسلام) نے بھی متحدہ قومیت کے نظریئے کی حمایت کرتے ہوئے آل انڈیا مسلم لیگ اور قائداعظم محمد علی جناح کی زبردست مخالفت کی اور بعض مولویوں نے قائداعظم کو کافرِ اعظم جیسے القاب سے نوازنے سے بھی گریز نہ کیا۔ اس وقت ان علمائے ہند کی تحریک کو نیشنلسٹ علما کا بھی نام دیا گیا۔ ان کی تائید اور حمایت کرنے والی مسلم علماء کی ایک اور جاندار جماعت مجلس احرار بھی تھی۔ مجلس احرار میں زبردست شعلہ بار مقرر شامل تھے ان کے عوامی جلسوں میں بہت رش ہوتا تھا۔ الغرض یہ ایک ایسا طوفانی دور تھا کہ مسلم عوام بہت سخت پریشان تھے ان کو سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ سیاسی سچ کیا ہے؟ قائداعظم جیسا عظیم رہنما اگرچہ مسلم لیگ کا سربراہ تھا لیکن ان کی تقریر انگریزی میں ہوتی تھی جو معمولی خواندہ اور ناخواندہ مسلمانوں کے ذہنوں کے اوپر سے گذر جاتی تھی۔ اس لیے گراس روٹ لیول پر کانگرس 'جمعیت علمائے ہند' مجلس احرار اور بعض دیگر پارٹیوں کا مقابلہ اور توڑ بہت مشکل نظر آ رہا تھا۔ ایسے حالات میں مارچ 1946 کی دوروزہ آل انڈیا سُنی کانفرنس مسلم رائے عامہ کے لیے ایک ٹرننگ پوائنٹ ثابت ہوئی۔ اس کانفرنس کی صدارت امیر ملت پیر جماعت علی شاہ محدث علی پوری رحمۃ اللہ علیہ نے کی اور اس میں برصغیر ہند کے تمام بڑے بڑے مسلم علاقوں سے تعلق رکھنے والے علمائے کرام اور مشائخ عظام نے شرکت کی تھی (ان کی تفصیل آئندہ کسی مضمون میں پیش کردیں گے)۔ آل انڈیا سُنی بنارس کانفرنس میں کم و بیش پانچ ہزار علماء مشائخ نے شرکت کی اور 1946 کے اس دور میں قریباً ڈیڑھ لاکھ مسلم عوام نے شرکت کی تھی۔ ان عوام میں ایک کثیر تعداد متحدہ ہندوستان کے دور دراز کے شہروں سے آنے والوں کی بھی شامل تھی۔ گجرات (پاکستان) سے نوعمر عالم دین صاحبزادہ سید محمود شاہ گجراتی رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ مسلم نوجوانوں کا ایک وفد بھی شریک ہوا جس میں راقم الحروف کے برادر اکبر قاضی عبداللطیف مرحوم بھی شامل تھے۔ بنارس کی اس سُنی کانفرنس میں واشگاف الفاظ میں مطالبہ پاکستان کی حمایت کا اعلان کیا گیا۔ قائداعظم محمد علی جناح کی قیادت اور مسلم لیگ کی تحریک کی پرزور انداز میں حمایت کی گئی۔ سنی کانفرنس کے فوراً بعد ہزاروں علماو مشائخ نے برصغیر ہند کے قریہ قریہ اور گوشے گوشے میں پہنچ کر مسلم رائے عامہ کو گراس روٹ لیول پر بیدار کیا اور ان کے ذہنوں میں تحریک پاکستان کے مقاصد کو اجاگر کیا۔ ان علماو مشائخ کا سب سے موثر استدلال یہ ثابت ہوا کہ وہ عوامی اجتماعات میں عوام سے سوال کرتے۔ مسلمانو! اس وقت تمہارے سامنے دو پرچم ہیں ایک ہندوؤں کا دوسرا مسلمانوں کا، بتاؤ کس پرچم کے سائے تلے رہنا پسند کرو گے؟ ظاہر ہے مسلم عوام کے پاس اس کا ایک ہی جواب تھا کہ وہ مسلمانوں کے پرچم تلے رہنا پسند کریں گے بلکہ امیر ملت پیر جماعت علی شاہ محدث علی پوری اس سے بھی زیادہ زوردار فقرہ فرمایا کرتے تھے ان کا کہنا تھا کہ جو تحریک پاکستان کی حمایت میں مسلم لیگ کو ووٹ نہیں دے گا اسے ہم مسلمانوں کے قبرستان میں دفن نہیں ہونے دیں گے۔ سنی کانفرنس کے اس پیغام کو چند ہفتوں کے اندر اندر علماو مشائخ اور ان کے شاگردوں اور مریدوں نے سارے ہندوستان میں نہ صرف پہنچادیا بلکہ پاکستان کے نعرے کو ہر دل کی دھڑکن بنادیا۔ میرے کانوں میں 1946 میں مسلم نوجوانوں کی طرف سے لگائے جانے والے نعروں کی گونج آج تک سنائی دے رہی ہے۔ وہ چند نعرے اس طرح کے تھے:

''بٹ کے رہے گا ہندوستان، بن کے رہے گا پاکستان''

''سینے پہ گولی کھائیں گے، پاکستان بنائیں گے''

''پاکستان کا مطلب کیا لا الہ الا اللہ''

سُنی کانفرنس بنارس (مارچ 1946) کا پیغام چند ہفتوں کے اندر اندر پورے برصغیر کے مسلم عوام تک اس لئے پہنچا اور مقبول ہوا کہ مسلم لیگ کی تحریک پاکستان کی بنیاد جس دو قومی نظریے پر استوار کی گئی تھی اس کے اولین محرک اور بانی امام اہلسنت مولانا احمد رضا خان بریلوی رحمۃ اللہ علیہ تھے جنہوں نے 1920 اور اس سے بھی پہلے ہندو مسلم بھائی بھائی کے نعرے کی زبردست مخالفت کی تھی اور جمعیت علمائے ہند کے ان رہنماؤں کی شدید مذمت کی تھی جو گاندھی کو اپنا لیڈر بنا کر مسجدوں میں لے جانے لگے تھے۔ اسی زمانہ میں شائع ہونے والی آپ کی تصنیف ''المحجۃ المؤتمنہ'' میں گاندھی کو اپنا لیڈر بنانے والے مسلمانوں اور ان کے لیڈروں کو مخاطب کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''جب ہندوؤں کی غلامی ٹھہری پھر کہاں کی غیرت اور کہاں کی خودداری...... تم ان نجسوں کو مقدس مطہر بیت اللہ میں لے جاؤ جو تمہارا ماتھا رکھنے کی جگہ ہے وہاں ان کے گندے پاؤں رکھواؤ مگر تم کو اسلامی حس ہی نہیں، صحبت مشرکین نے اندھا بہرا کردیا''۔

سُنی کانفرنس کے مشن کو اس لئے بھی مسلم عوام میں بہت زیادہ پذیرائی حاصل ہوئی کہ مسلم عوام کی بہت بڑی اکثریت لفظ سُنی سے اپنی دینی اور ملی وابستگی رکھتی تھی۔ برصغیر ہندوستان میں 1857 کی جنگ آزادی تک صرف تین مسلک مشہور تھے۔ سُنی (اہلسنت وجماعت)، وہابی (بعد میں اہل حدیث کہلائے) اور شیعہ۔ دیوبندی مسلک کا اس وقت تک کوئی وجود نہ تھا۔ 1864 میں برطانوی حکومت کی زیر سرکردگی دارالعلوم دیوبند قائم ہوا جس میں انگریز نے ان وہابی اور دیگر روشن خیال علمائے دین کو اکٹھا کیا جنہوں نے 1857 کی جنگ آزادی کی مخالفت کی تھی یا کم از کم اس کی حمایت نہیں کی تھی۔ ان علما کا اس وقت موقف یہ تھا کہ حاکم کی اطاعت کرو اور فتنہ و فساد برپا نہ کرو۔ ان علما کا تعلق زیادہ تر ان خاندانوں سے تھا جنہوں نے 1825 تا 1831 میں سکھوں کے خلاف جہاد کیا۔ اس جہاد کے سرکردہ رہنما مولوی اسمٰعیل اور مولوی سید احمد بریلوی تھے۔ ان کا سکھوں کے خلاف جہاد پشاور سے شروع ہوا اور بالاکوٹ میں انجام کو پہنچا۔ انگریز سکھوں کی پنجاب حکومت سے خائف تھا اس لئے اس نے بڑی خوبصورتی سے مسلمانوں کے ایک گروہ کو سکھوں کے خلاف لڑا کر اپنے دونوں دشمنوں کی طاقت کو کمزور کیا۔ بعد میں انگریزوں کی کمپنی کی حکومت سکھوں کے ساتھ اپنی شرائط پر معاہدہ کرنے میں کامیاب ہوگئی اور سکھوں اور مسلمانوں کو ہمیشہ کے لئے ایک دوسرے کا سیاسی دشمن بنادیا، جبکہ مسلمانوں کے اسی گروہ کے لئے بہت بڑا ادارالعلوم دیوبند قائم کرا کے ایک نئے مسلک دیوبندی کی بنیاد ڈال دی۔ اب چونکہ وہابی اور دیوبندی کی اصطلاح کے مقابلے میں سُنی کی اصطلاح صدیوں سے برصغیر کے مسلمانوں کے ذہنوں میں موجود تھی اور وہ اپنے دین، مذہب اور مسلک کا دوسرا نام سُنی (اہلسنت وجماعت) ہی سمجھتے تھے اس لئے سُنی کانفرنس کی تحریک مہینوں میں نہیں بلکہ ہفتوں اور دنوں میں کامیابی سے ہم کنار ہوئی۔ تاریخ کی عجیب ستم ظریفی دیکھئے کہ علمائے دین اور مسلمانوں کا وہ گروہ جس نے 1825 تا 1831 میں سکھوں کے خلاف جہاد کیا اس نے 1857 کی جنگ آزادی میں انگریزوں کی حکومت کے خلاف جہاد میں حصہ نہیں لیا۔ جبکہ 1857 کی جنگ آزادی میں حصہ لینے والے بھی سُنی علما تھے جن کو چن چن کر انگریز نے بعد میں شہید کیا۔ جنگ آزادی کا فتویٰ دینے والے مولانا فضل حق خیرآبادی رحمۃ اللہ علیہ تھے جن پر کراچی کے خالق دینا ہال میں مقدمہ چلا کر جزائر انڈیمان (کالے پانی) میں عمر قید کی سزا دی گئی لیکن 1940 کی قرارداد پاکستان کی حمایت بھی انہی سُنی علما اور مشائخ نے کی جن کے آبا نے 1857 کی جنگ آزادی میں حصہ لیا جبکہ 1940 کی قرارداد پاکستان کے مطابق قیام پاکستان کے لئے مسلمانوں کی انگریز اور ہندو کے خلاف چلنے والی تحریک میں سکھوں کے خلاف جہاد کرنے والوں کے خانوادوں اور پیروکاروں نے حصہ نہیں لیا بلکہ جمعیت علمائے ہند اور مکتب دیوبند کے تمام سرکردہ علما نے انہی ہندوؤں اور سکھوں کے ساتھ بھائی بھائی کا نعرہ بلند کرکے دوقومی نظریے کی بنیاد پر تحریک قیام پاکستان کی مخالفت کی اور بات اتنی دور تک چلی گئی کہ جب 1971 میں ہندو کی مکاری، سازش اور فوجی جارحیت کے نتیجے میں پاکستان دولخت ہوگیا اور مشرقی پاکستان بنگلہ دیش بن گیا تو پاکستان میں اُسی مسلک کے اس وقت کے سب سے بلند قامت دینی اور سیاسی قائد نے کہا تھا کہ خدا کا شکر ہے کہ ہم پاکستان بنانے والوں میں شامل نہیں تھے۔ بہرحال قائداعظم کی کرشماتی شخصیت کی قیادت میں مسلم لیگ اور سنی کانفرنس کے زُعما اور کارکنوں کی ان تھک کاوشوں سے 14 اگست 1947 کو پاکستان قائم ہوگیا۔ ہندو اور انگریز دونوں کو شکست ہوئی اور اللہ تعالیٰ نے قائداعظم کو عظیم کامیابی سے سرفراز کیا۔ قائداعظم محمد علی جناح نے تحریکِ پاکستان کے دوران دوقومی نظریہ کی وضاحت کرتے ہوئے مسلم یونیورسٹی علی گڑھ میں 8۔ مارچ 1944 کو اپنے خطاب میں فرمایا تھا کہ:

''مسلمانوں کی قومیت کی بنیاد صرف کلمہ توحید ہے نہ وطن نہ نسل...... ہندوستان کا جب پہلا فرد (کلمہ پڑھ کر) مسلمان ہوا تو وہ پہلی قوم کا فرد نہیں رہا تھا۔ وہ ایک الگ قوم کا فرد بن گیا تھا۔ آپ نے غور فرمایا کہ پاکستان کے مطالبے کا جذبہ محرکہ کیا تھا؟ اس کی وجہ نہ ہندوؤں کی تنگ نظری تھی نہ انگریزوں کی چال۔ یہ اسلام کا بنیادی مطالبہ تھا'' (حوالہ روشن روشن۔ مرتب سردار محمد چوہدری)۔

پاکستان بن جانے کے بعد وہ جو پہلے ہندو مسلم بھائی بھائی کے نعرے لگایا کرتے تھے وہی ہندو اور سکھ، مسلمانوں کے خون کے پیاسے بن گئے۔ وہ علاقے جو تقسیم ہند کے بعد بھارت کے حصے میں چلے گئے وہاں کے پرامن مسلمانوں کا ہندوؤں اور سکھوں نے مل کر قتل عام کیا۔ مسلمانوں کے گھروں بلکہ پوری پوری بستیوں کو آگ لگادی گئی۔ مسلمان خواتین کی بے حرمتی کی گئی معصوم بچوں کو نیزوں اور بھالوں پر اچھالا گیا۔ ان مظالم کی وجہ سے مسلمان مہاجر بن کر پاکستان پہنچ گئے۔ ان کی فوری دیکھ بھال، سخت گرمی میں ان کی پانی اور خوراک کی ضروریات پوری کرنا پاکستان جیسی نوزائدہ مملکت کے لئے ممکن نہ تھا۔ ان مہاجرین کا پہلا پڑاؤ لاہور ہوتا تھا۔ لاہور میں والٹن کے مقام پر بڑا وسیع خیموں

کا شہر بن گیا ان مہاجرین کی فوری ضروریات پوری کرنے اور ان کی زندگی بچانے اور بحال کرنے کے کام میں وہی سُنی علماء جنہوں نے سُنی کانفرنس کا پیغام گھر گھر پہنچایا تھا میدانِ عمل میں کود پڑے۔ چنانچہ علامہ ابوالحسنات محمد احمد قادری رحمۃ اللہ علیہ ان کے بھائی علامہ ابوالبرکات رحمۃ اللہ علیہ، مولانا محمد بخش مسلم رحمۃ اللہ علیہ، علامہ پیر عبدالغفور ہزاروی رحمۃ اللہ علیہ، مولانا اکرام حسین مجددی رحمۃ اللہ علیہ، مولانا غلام الدین رحمۃ اللہ علیہ انجن شیڈ والے، مفتی محمد حسین نعیمی رحمۃ اللہ علیہ اور دیگر علماء و مشائخ مہاجرین کے دکھ درد بانٹنے میں سرگرم ہو گئے۔ ان کے ساتھ لاہور کے عظیم شہریوں نے سُنی علماء کی اپیل پر دل کھول کر اپنے مہاجر بھائیوں کی امداد کی اور انصارِ مدینہ کی یاد تازہ کر دی۔ اس موقع پر رئیس لاہور میاں غلام قادر مرحوم (شاز ولیبارٹری والے)، جسٹس شمیم حسین قادری ان کے بھائی نسیم حسین قادری، سید سلیم حسین قادری اور دیگر کئی نوجوان ان کے دست و بازو تھے۔ اس موقع پر اندرون و بیرون دہلی دروازہ لاہور لنڈا بازار شاہ عالم مارکیٹ کے تاجروں اور دکانداروں نے بھی قابل تعریف کردار ادا کیا۔ سُنی علماء کے جلسوں اور مراکز پر اہل لاہور امدادی اشیاء، کپڑوں اور خشک راشن کے ڈھیر لگا دیتے جن کو ٹرکوں میں بھر کر والٹن پہنچایا جاتا۔ ابھی مہاجرین کی دیکھ بھال اور بحالی کا کام جاری تھا کہ بھارت کی نہرو حکومت نے کشمیر میں فوج اتار دی اور ملک میں جہادِ کشمیر کا ناقوس بج گیا۔ سُنی علماء نے اس محاذ پر بھی لبیک کہتے ہوئے جذبہ جہاد بیدار کرنے کی تحریک شروع کر دی۔ غازی کشمیر علامہ ابوالحسنات قادری رحمۃ اللہ علیہ کی زیرِ قیادت اس محاذ پر بھی زبردست کام ہوا۔ پنجاب اور سرحد کے غیور مسلمانوں نے جہاد میں کشمیری مہاجرین کے شانہ بشانہ حصہ لیا۔ محاذ پر لڑنے والوں کے لئے رسد اور دیگر سامان پہنچانے کے ساتھ ساتھ اگلے مورچوں پر خود سُنی علما جا کر جہاد کی فضیلت بیان کرنے اور مجاہدین کے حوصلے بلند کرنے میں مصروف رہے۔ مجاہدین کی جدوجہد سے ہی موجودہ آزاد کشمیر ہندو کے پنجے سے آزاد ہوا تھا، پھر بعد میں اقوام متحدہ کے تحت جنگ بندی ہو گئی۔

لیکن سُنی کانفرنس سے وابستہ علماء نے یہ تمام خدمات اللہ کی خوشنودی اور ملت کے درد کے تحت انجام دیں۔ پاکستان بن جانے کے بعد یا اس کے بعد حکومت وقت سے کبھی اس کے صلے میں نہ پلاٹ حاصل کیے نہ کسی عہدہ کے طلبگار ہوئے۔ حالانکہ حکومت کی طرف سے پیشکش بھی کی گئی لیکن ان بوریا نشین سُنی علماء نے اپنے دینی مدارس اور مسندِ خلافت کو اپنی اولین ترجیح ٹھہرایا اور درس و تدریس اور تبلیغ اسلام کے مشن کو جاری رکھا اور یہ مشن آج بھی جاری ہے۔

❁ ❁ ❁

جماعت اہل سنت پاکستان

ہزارہ ڈویژن اور صوبہ سرحد کے عہدیداران کی تقریب حلف برداری

"یا" کسی کی نظر عنایت کا کمال؟

محمد زاہد اعوان

جب سے جماعت اہلِ سنت پاکستان کے سال 2007ء کے انتخابات ہوئے ہیں اور ایک جمہوری اور آئینی طریقہ کار سے اراکین مجلس شوریٰ نے انٹرنیشنل سنی سیکرٹریٹ (زیرِ تعمیر) لاہور کی چھت تلے بیٹھ کر جگر گوشۂ غزالیٔ زماں حضرت صاحبزادہ پروفیسر سید مظہر سعید کاظمی مدظلہ العالی اور مفکرِ اسلام، مفسرِ قرآن حضرت علامہ سید ریاض حسین شاہ مدظلہ العالی جیسے خوبصورت سادات کرام کے جوڑے کو جس طرح اپنی والہانہ عقیدتوں اور محبتوں کے گلدستوں میں سجا کر بالترتیب جماعت کا مرکزی امیر اور مرکزی ناظمِ اعلیٰ منتخب کیا ہے۔ اس دن سے لے کر ابھی تک جماعت اہلِ سنت پاکستان کی تنظیمی فکری تحریک میں ایک نئی انقلابی جہت نمایاں نظر آ رہی ہے اور یوں لگتا ہے کہ جیسے کوئی روحانی طاقت جماعت اہلِ سنت پاکستان پر اپنا سایہ کر چکی ہے اور جماعت کا ادنیٰ سا کارکن بھی جب کسی بڑے آستانے پر جا کر جماعت میں شمولیت کی دعوت دیتا ہے تو آگے سے جس کشادہ دلی اور شفقت و محبت کا اظہار ہوتا ہے اسے دیکھ کر کوئی بھی اس بات سے انکار نہیں کر سکتا کہ اتنے بڑے بڑے مشائخ طریقت اجتماعی طور پر اگر کسی طرف اپنی محبتوں اور عنایتوں کا رخ موڑ دیں تو یہ کسی جماعت پر اپنے ربِ کریم کا خصوصی فضل و کرم ہی ہوتا ہے۔ راقم الحروف نے جماعت اہلِ سنت پاکستان کی تنظیمِ نو کے مختلف ادوار دیکھے ہیں اور کم از کم صوبہ سرحد کی سطح پر جماعت کی مرکزی قیادت کے تقریباً ہر دورے میں گزشتہ 12 سالوں کے دوران ہمسفری کا اعزاز بھی میسر رہا مگر جو جوش اور ولولہ اس دفعہ نظر آ رہا ہے اور ہر کارکن جس انقلابی سوچ کے ساتھ آگے بڑھ رہا ہے خود مرکزی امیر محترم اپنی عمر کے اس حصہ میں جہاں صرف آرام کا ہی مشورہ دیا جاتا ہے۔ جس جوش و جذبے سے پروگرامز میں شرکت فرما رہے ہیں اسے دیکھ کر کوئی یہ نہیں کہہ سکتا کہ یہ وہی باپ ہے، جس نے ابھی کچھ عرصہ پہلے ایک جوان بیٹے کا لاشہ اپنے کندھوں پر اٹھایا ہوگا اور آج بھی ایک دادا کی نظر سے اپنے ننھے منّے پوتوں کو دیکھتے ہوئے اپنے مرحوم بیٹے کی تصویر کو ہی نظروں میں لاتا ہوگا اسی طرح جماعت کے مرکزی ناظم اعلیٰ قبلہ سید ریاض حسین شاہ صاحب جس طوفانی رفتار سے ملک گیر تنظیمی دورے کر رہے ہیں اسے دیکھ کر کون یہ کہہ سکتا ہے کہ یہ وہی قائدِ اہلِ سنت ہوں گے جنہیں گزشتہ سال برطانیہ سے ڈاکٹرز نے یہ کہہ کر وطن واپس بھیج دیا تھا کہ اب آپ مزید تنظیمی دورے نہیں کر سکتے اور نہ تقاریر کی اجازت ہے بلکہ آپ نے اپنے آبائی علاقہ کوشالی میں وہ جگہ بھی دیکھ لی تھی جہاں بقول ان کے انہوں نے زندگی کے آخری حصہ میں سرکارِ دوعالم ﷺ کی سنت مطہرہ کو زندہ کرنے کے لئے بکریاں چرانے کا بھی پروگرام بنا لیا تھا۔ مگر قدرت کو کچھ اور ہی منظور تھا یہ بیماری بھی عجیب تھی اور علاج بھی انداز دلربائی کا عجیب منظر پیش کر رہا تھا۔ جماعت کے صوبہ پنجاب کے نو منتخب ناظمِ اعلیٰ علامہ مفتی محمد اقبال چشتی جنہوں نے اپنے انتخاب کے بعد صرف دو ماہ کے قلیل عرصہ میں ہی پنجاب بھر میں تنظیم سازی کے جال پھیلا دیئے ہیں وہ کہتے ہیں کہ اس مریض کے بھی آدمی کیوں نہ قربان ہو جائے، جس کا حال پوچھنے بھی مدینے کا تاجدار آ جائے اور نسخۂ شفا بھی عطا کر جائے، یہی سب سے بڑی وجہ ہے کہ آج مرکزی ناظمِ اعلیٰ جماعت اہلِ سنت پاکستان ملک بھر میں تنظیم سازیاں کر کے ربیع الاول شریف سے دنیا کے 28 ممالک و ریاستوں کے دورے پر بھی روانہ ہو رہے ہیں اور چہرے سے تھکن کے آثار بھی کم ہی نظر آتے ہیں۔ صوبہ سرحد کے اس علاقہ میں جہاں مرکزی ناظمِ اعلیٰ کا آبائی علاقہ کوشالی بھی ہے اور ان کے بچپن کی یادیں بھی اسی علاقہ سے وابستہ ہیں۔ گزشتہ دنوں اسی علاقہ ہزارہ ڈویژن کی تنظیم سازی مکمل ہونے کے بعد تقریبِ حلف برداری کا اہتمام کیا گیا تو وہاں بھی حضور قبلہ سید ریاض حسین شاہ مدظلہ العالی کی شفقتوں اور عنایات کا سمندر موجزن نظر آیا اور آپ نے اس شرط پر تقریبِ حلف برداری کے لئے وقت دینے کا اعلان کیا کہ اگر وہاں درسِ قرآن کا موقع ہو اور عوام الناس کو جماعت کا آفاقی پیغام بھی احسن انداز سے پہنچ سکے اور اس سے قبل صوبہ سرحد کی امارت، ہزارہ ڈویژن اور اس کے تینوں مرکزی اضلاع کی تنظیم سازی بھی مکمل ہو جائے، تو عید الاضحیٰ سے دو روز قبل پروگرام رکھ لیا جائے۔ پروگرام کی تاریخ 18 دسمبر مقرر کی گئی، گویا ہزارہ ڈویژن کی خوش بختی کا دن متعین ہو گیا اور صرف 20 دنوں میں جتنا بڑا ٹارگٹ صرف دو افراد کی نگرانی میں حاصل ہوا، میں سمجھتا ہوں کہ یہ کسی کی نظر کا کمال تھا۔ ورنہ ابھی تک صوبہ سرحد کا امیر بھی نامزد نہیں کیا گیا تھا۔ چہ جائیکہ نچلی سطح پر تنظیم سازی کی جاتی اور پورے صوبہ سرحد میں صرف دو احباب کو ذمہ داریاں سونپی گئی ہیں جن میں سے ایک صوبہ سرحد کے ناظمِ اعلیٰ علامہ محمد بشیر القادری ہیں اور دوسرا شخص وہ ہے جس کا اپنا کوئی تعارف ہی نہیں۔ اس کے لئے یہی اعزاز کافی ہے کہ اسے جو کام کہا جائے وہ اسے یہ سمجھ کر سر انجام دے دے کہ کرنے والے اس کام کو بہت ہو سکتے تھے مگر تمہارا نام اس کام کے لئے لیا جانا، دراصل اس بات کی گواہی ہے کہ تمہاری نسبت ٹھیک ہے اور تم ابھی ٹھکرائے نہیں گئے، ورنہ تم لاکھ اپنے ساتھ جماعت کے مرکزی نائب ناظمِ اعلیٰ کا عہدہ لگا لو، مگر تمہارے اعمال بہر صورت اس قابل نہیں کہ ان کا صلہ اتنے بڑے اعزازوں کے ساتھ دیا جائے، اس صورتحال سے قارئین اندازہ کر سکتے ہیں کہ اگر 18 دسمبر 2007ء تک صوبہ سرحد کے امیر کا بھی تقرر ہو گیا۔ ہزارہ ڈویژن کے مرکزی عہدیداران بھی چناؤ ہو گئے، نہ صرف ضلع ایبٹ آباد، مانسہرہ، اور ہری پور کی ضلعی باڈیاں بھی مکمل ہو گئیں بلکہ تحصیل ہری پور، تحصیل ایبٹ آباد، تحصیل اوگی اور تحصیل بالاکوٹ و گڑھی حبیب اللہ میں بھی تنظیم سازیاں کر لی گئیں۔ اور کئی یونٹ بھی بن گئے تو اس میں اس دوسرے شخص کا کردار کتنا ہو سکتا ہے یہ سب اگر ہوا تو مرشد کریم کی نگاہ عنایت سے اللہ تعالیٰ نے علامہ محمد بشیر القادری صاحب جیسے متقی اور جرأت مند و محنت کش شخص کو یہ توفیق بخشی کہ انہوں نے نہ صرف تنظیم سازیاں مکمل کر لیں بلکہ ان عہدیداران کے

حلف بھی شاہ صاحب کے ہاتھ پر لے لئے گئے، تاہم 18 دسمبر 2007ء کو ایبٹ آباد محمدی ٹاؤن، پھل گلاب روڈ پر ایوب میڈیکل کمپلیکس کے سامنے مرکزی جامع مسجد غوثیہ، ادارہ تعلیمات اسلامیہ میں مفکرِ اسلام علامہ سید ریاض حسین شاہ صاحب نے نمازِ ظہر کے بعد درس قرآن دیا۔ جس سے قبل قاری محمد مشتاق ایبٹ آباد والوں نے نعت رسول مقبول ﷺ کے زمزموں سے محفل کے حاضرین کی ارواح وقلوب کو سرشار کیا، فرائض نقابت کی ذمہ داری اسی دوسرے شخص کے ذمہ تھی جو اگر اپنا فرض بھی صحیح طریقے سے ادا نہ کرسکا تو اس کا نام لینے اور لکھنے کی بھی کیا ضرورت ہے۔ البتہ جن لوگوں نے اس درسِ قرآن کی محفل اور تقریب حلف برداری کے لئے اشتہار چھپوائے، دعوتیں بانٹیں، پریس کلب ایبٹ آباد میں پریس کانفرنس کا اہتمام کروایا اور مالی وجانی خدمات سرانجام دیں، نام ان کے لکھنے چاہئیں۔ جن میں ضلع ایبٹ آباد کے امیر علامہ محمد اسحاق صدیقی، ناظمِ اعلیٰ ڈاکٹر سلیم خان جدون، چیف آرگنائزر حنیف عباسی اور رکن عاملہ صاحبزادہ حضرت شاہ شامل ہیں، علامہ مقصود الحسن ہیں جو ادارہ تعلیمات اسلامیہ کے نگران بھی ہیں اور قبلہ شاہ صاحب کی طرف سے میزبانی کے آداب کے لئے مکمل اختیار رکھتے ہیں، اسی لئے تو ان کی طرف سے لنگر کا بھی وسیع اہتمام تھا اور انتظامی حُسن بھی ان کی ہر ادا سے چھلکتا نظر آتا تھا۔ اس محفل کو صوبائی سُنّی کنونشن بھی کہا جا سکتا ہے کہ یہاں امیر صوبہ سرحد علامہ احمد خان برق، ٹانک ڈیرہ اسماعیل خان والوں اور صوبہ سرحد کے چیف آرگنائزر علامہ حافظ عمر فاروق سعیدی کے علاوہ صوبہ سرحد کے نائب امیر علامہ قاضی غلام کبریا نقشبندی نے بھی اپنے اپنے عہدوں کا حلف اٹھایا۔ علامہ غلام سرور ہزاروی نے مرکزی نائب امیر اور پیر محبّ الرحمٰن قادری آستانہ عالیہ بھیرہ شریف ہری پور میں رکن سنی سپریم کونسل کی حیثیت سے حلف اٹھائے، جبکہ پیر شاہ محمد کمال کاظمی نے امیر ہزارہ ڈویژن، حافظ آغا عبدالرحمٰن ہزاروی نے ناظم اعلیٰ ہزارہ ڈویژن اور علامہ سید عارف شاہ گیلانی نے چیف آرگنائزر ہزارہ ڈویژن کی حیثیتوں سے اپنی اپنی ذمہ واریاں سنبھالیں اور ہری پور ایبٹ آباد مانسہرہ کے تمام عہدیداران نے بھی حلف اٹھائے۔ اس طرح یہاں پر حلف اٹھانے والے احباب کی تعداد 100 سے تجاوز کرگئی تھی اور ایک میلے کا سا سماں نظر آرہا تھا۔ ایبٹ آباد کی ایسی سرزمین جہاں کبھی یارسول اللہ ﷺ کی صدائیں بلند کرنے والے باجماعت نماز کی ادائیگی کے لئے اپنی مسجد کو بھی ترستے تھے۔ 18 دسمبر کو جماعت اہلِ سنت پاکستان کی قوت کا یہ عظیم مظاہرہ جہاں باطل کے ایوانوں کے لئے لرزہ تھا وہاں توحید کی شمع بھی پورے آب وتاب سے روشنی بکھیر رہی تھی اور مغرب کی نماز کے بعد محفل ذکرِ الٰہی کا بھی اہتمام تھا۔ جس کے بعد صلوٰۃ وسلام بحضور سرورِ کائنات ﷺ نے یہ پیغام بھی دیا تھا کہ ہم اسی توحید کو مانتے ہیں جو نبی آخرالزمان حضرت محمد مصطفےٰ ﷺ کی محبت اور اطاعت سے سجی ہو اور اقبال کی روح شاید اسی موقع اور ایسے ہی کارکنان اہلِ سنت کے لئے تڑپ کر بولی ہوگی کہ

بازو تیرا توحید کی قوت سے قوی ہے
اسلام تیرا دیس ہے تُو مصطفوی ہے

محفل اگرچہ یہاں اختتام پذیر ہوگئی تھی مگر صوبہ سرحد کے نائب ناظمِ اعلیٰ علامہ حبیب المالک لقمانوی اور ہزارہ ڈویژن کے نائب ناظمِ اعلیٰ علامہ رشید الرحمٰن رشید کی حلف برداری یہاں بھی تنظیمی محبتوں کا ثبوت فراہم کررہی تھی۔ جو مانسہرہ میں نمازِ جنازہ کی ادائیگی کی وجہ سے مع دیگر عہدیداران لیٹ ہوگئے تھے۔ بعدازاں ایبٹ آباد کی بزم اقبال ہزرہ ڈویژن کے سرپرستِ اعلیٰ جناب صلاح الدین اجمیری کے آستانے پر حضور مفکرِ اسلام نے چائے نوش فرمائی۔ جہاں سادات کرام سے محبتوں اور عقیدتوں کے پھولوں کی بارش بھی جاری رہی اور جناب مرکزی ناظمِ اعلیٰ جماعت اہلِ سنت پاکستان اپنے ہری پور کے ساتھیوں کے ہمراہ واپس روانہ ہوئے تو رات کا کافی حصہ بیت چکا تھا اور اب مرکزی ناظمِ اعلیٰ کے ساتھ صرف 3 گاڑیاں باقی رہ گئی تھیں، جبکہ دن کو یہ قافلہ جب ہری پور سے ایبٹ آباد کی جانب روانہ ہوا تو یہ دس گاڑیوں کے جلوس پر مشتمل تھا، جو سلہڈ کے مقام سے 30 گاڑیوں کی تعداد تک تجاوز کرچکا تھا میں نے کوشش کی تھی کہ میں حضور مفکرِ قرآن کے درسِ قرآن زیرِ آیت کریمہ ”واصبر نفسک مع الذین.... الآخر“ سے چند ارشادات عالی بھی اس رپورٹ میں شامل کروں گا، جن کے حوالہ جات کی بلندی پر بھی بعد میں علماء کرام تحسینی کلمات ادا کرتے رہے تھے مگر شاید میں ہی وہ دوسرا نااہل شخص ہوں گا جسے جب بھی کوئی کام سونپا جائے تو اس کا کما حقہ حق ادا نہیں کرسکتا اور کبھی بھی جو لکھنا چاہا وہ مکمل نہ لکھ سکا۔ حضور مفکرِ اسلام کے درسِ قرآن کو ان کی اپنی ہی زبان بیان کرسکتی ہے ہم ابھی اس سے مکمل اصلاح تو کیا اتنی معلومات بھی حاصل نہیں کرسکے کہ اسے اصلاح کہہ سکیں۔ اپنی اصلاح کے عمل تک رسائی کی کوشش میں ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ درسِ قرآن ہو یا درسِ حدیث، اس کے آس پاس پھیلی خوشبوؤں میں ہی اتنا کھو جاتے ہیں کہ قلم ان خوشبوؤں کو بھی صحیح طرح سمیٹ نہیں سکتا تو بیان ہم نے کیا کرنا ہے۔ بس اسی رپورٹ سے جہاں جماعت کی کارگزاری کو بہتر ہوتا دیکھے گا وہاں کوئی کمی رہ گئی ہو تو سمجھ لیجئے گا کہ یہ دوسرا بے نام شخص واقعی اس قابل ہے کہ کارکردگی میں اس کا نام نہ لیا جائے۔ صرف اس کے حق میں دعا کردی جائے کہ اللہ اس کی مغفرت کا سامان پیدا کردے اور اسے بھی کوئی بہتر مقام عطا کردے۔ آمین

❁ ❁ ❁

یورپ میں صوفیائے کرام کا فیضان ۔۔۔۔ یورپ میں خادمین صوفیاء کی تگ و تاز

صاحبزادہ حسنات احمد مرتضیٰ

جامع مسجد صوفیاء کا قیام

دو، تین دہائیاں سال پہلے جرمنی میں مساجد کی تعداد بہت کم تھی۔ یورپ میں آنے والے مسلمانوں کو بہت سی مشکلات میں سے ایک روحانی مراکز اور مساجد سے دور ہونے کی تھی۔ نماز جمعہ وعید کی ادائیگی کے لئے بھی خاصا سفر کرنا پڑتا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے کرم کیا، وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ حالات میں تبدیلی آتی گئی۔ یورپ میں مسلمانوں کی آمد کا سلسلہ زیادہ ہوا۔ دوسری جانب یہاں کے رہنے والے بھی اسلام کی دولت سے فیضیاب ہوئے۔ مسلمانوں نے دینی ضروریات کی تکمیل کے لئے تعمیر مساجد کے سلسلہ کو آگے بڑھایا۔

اسلامی سنٹرز اور مساجد کے قیام کی ایک کڑی میونخ میں بھی ملاحظہ کی جاسکتی ہے۔ میونخ میں پاکستانی مسلمان مدت سے ایک مرکز کی ضرورت محسوس کررہے تھے، کیونکہ مختلف تہواروں خصوصاً عید میلاد النبی ﷺ کی تقاریب کے لئے کبھی ترکی مسجد اور کبھی ہال کا رخ کیا جاتا۔ میونخ میں ہم وطنوں کو رغبت کے ساتھ تحریک دلائی گئی کہ آنے والی نسلوں کی تربیت کے لئے ایک مرکز کو قائم کیا جائے۔ خوشحال خان، صغیر بٹ، اور ان کے بھائیوں نے چند دوستوں کے تعاون سے اس عظیم کام کا بیڑا اٹھایا اور مسجد قائم ہوگئی۔

اسلامی مراکز اور مساجد کی پہچان ان کے ناموں سے ہوتی ہے۔ مسجد کے نام کے لئے جماعت اہلسنت پاکستان کے مرکزی ناظم اعلیٰ مفسر قرآن، مفکر اسلام علامہ پیر سید ریاض حسین شاہ صاحب کی خدمت میں عرض کیا، قبلہ شاہ صاحب نے جرمنی کے صوبے بائرن Bayern کے دارالحکومت میونخ (München) میں قائم ہونے والی مسجد کو صوفیاء کے نام سے منسوب کیا۔ اسلام کی اشاعت میں صوفیاء کا کردار ناقابل فراموش ہے۔ اپنے بیگانے سب اولیائے کرام کی عظمتوں اور محبتوں کا اعتراف کرتے ہیں۔ سچی بات تو یہی ہے کہ صوفیائے کرام کی تبلیغ کی وجہ سے لاکھوں لوگ دائرہ اسلام میں داخل ہوئے۔ آج بھی مسلمانوں کو دہشت گرد کہنے والوں کو سمجھنا چاہیے کہ صوفیاء کی تعلیمات کو اپنانے والے ہمیشہ امن، سلامتی اور محبت کا علم بلند کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے فضل، رسول پاک ﷺ کی نظر اور استاد محترم قبلہ شاہ صاحب کی دعا سے جامع مسجد صوفیاء اسم بامسمیٰ کا حسین امتزاج ہوگئی۔ 14-دسمبر 2007 کو جامع مسجد صوفیاء میں افتتاحی خطبہ جمعہ راقم الحروف نے دیا اور نماز جمعہ کی امامت کروائی۔

جامع مسجد داتا گنج بخشؒ کے خطیب کا دورہ یورپ

حضرت سید علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کا شمار جلیل القدر اولیائے کرام میں ہوتا ہے۔ راوی کے کنارے لاہور میں آپ اپنے شیخ حضرت ابوالفضل ختلی رحمۃ اللہ علیہ کے حکم سے تشریف فرما ہوئے اور پھر وہیں بقیہ زندگی اسلام کی خدمت میں بسر کی۔ ہزاروں لوگوں کے دلوں کو حضرت داتا صاحب نے اسلام کے نور سے منور کیا۔ آج بھی آپ کا مزار مرجع خلائق ہے۔ عوام خواص بھی آپ کے آستاں پر حاضری کی سعادت حاصل کرتے ہیں۔ 90 لاکھ کو مسلمان کرنے والے خواجہ غریب نواز رحمۃ اللہ علیہ بھی داتا صاحب کے آستاں پر ہی حاضری دیتے ہیں۔

گنج بخش فیض عالم ، مظہر نور خدا

ناقصاں را پیر کامل ، کاملاں را راہنما

حضرت داتا صاحب کے مزار سے ملحق ایک بہت خوبصورت، وسیع وعریض جامع مسجد آپ کے نام سے منسوب ہے۔ جامع مسجد داتا گنج بخش میں علامہ مقصود احمد چشتی قادری صاحب 23 سال سے خطابت کے فرائض سرانجام دے رہے ہیں۔ یوں تو علامہ مقصود صاحب کو سرکاری صوبائی خطیب کا اعزاز بھی حاصل ہے لیکن یارسول اللہ کہنے والے حضرت داتا صاحب کی نسبتوں سے آپ کا احترام کرتے ہیں۔ گزشتہ دنوں آپ برطانیہ سے ہوتے ہوئے جرمنی، اٹلی اور فرانس کے تبلیغی دورے پر تشریف لائے۔ 9-دسمبر اسٹٹ گارڈ کی جامع مسجد میں آپ نے جلسہ سے خطاب فرمایا۔ شیخ منیر احمد نے انتظامیہ کی جانب سے آپ کا شکریہ ادا کیا۔ اسٹٹ گارڈ سے شیخ طارق کے ہمراہ اٹلی اور فرانس میں مختلف احباب سے ملاقات کی اور پھر جمعرات کو بذریعہ ٹرین فرینکفرٹ تشریف لائے۔ حاجی ارشد، حافظ فاروق کیانی اور دوسرے احباب نے ریلوے اسٹیشن پر آپ کا استقبال کیا، رات حافظ کیانی صاحب کے ہاں قیام، اور اگلے روز خطبہ جمعہ پاک دارالسلام میں دینے کے بعد اہل فرینکفرٹ نے لاہور ریسٹورنٹ میں آپ کے اعزاز میں کھانا پیش کیا۔ بعد ازاں چوہدری طارق صاحب کو میزبانی کا موقع ملا۔ راون ہائم میں کئی احباب نے طارق صاحب کے ہاں آپ سے ملاقات کی۔ اگلے روز یعنی 15-دسمبر کی صبح علامہ صاحب چوہدری صوفی طارق اور دیگر افراد کے ہمراہ ایسن روانہ ہوئے۔ راستے میں ہمیر کے ہاں کچھ دیر قیام کیا۔ ایسن میں ریاض انجم بھٹی نے اپنے دوستوں کے ہمراہ علامہ صاحب کا استقبال کیا۔ ایسن میں نماز ظہر کے لئے پیدل ترکی مسجد جاتے ہوئے سرد ہواؤں کے جھونکوں میں علامہ صاحب کو ماضی یاد آیا، پھر آپ نے یخ بستہ ہواؤں کے ساتھ ہی اپنے استاد رئیس المناظقہ علامہ مولانا عطا محمد بندیالویؒ صاحب کا تذکرہ کیا۔ مسجد میں ٹھنڈے پانی کے ساتھ وضو کرنے کے بعد نماز ادا کی اور ترکی مسجد کے امام

سے ملاقات کے دوران علامہ صاحب نے اسے سنت رسول ﷺ کے مطابق داڑھی رکھنے کی دعوت دی، کیونکہ ترکی آئمہ وخطبا تھری پیس سوٹ پہن کر اور ٹائی لگا کر بغیر داڑھی کے امامت وخطابت کرتے ہیں۔ جامع مسجد ایسن میں بعد نماز مغرب ایک عظیم الشان محفل ہوئی جس میں علامہ اشرف قادری صاحب نے صدارت، راقم الحروف نے سورہ کوثر پر گفتگو کی۔ علامہ مقصود صاحب نے خصوصی خطاب کرتے ہوئے ایمان کی مضبوطی کا درس دیا۔ عشق رسول کو اپنا کر سنت رسول کے مطابق زندگی بسر کرنے کی ترغیب دی۔

بلجیم میں موئے مبارک ﷺ کی زیارت اور محفل گیارھویں شریف

رسول کریم ﷺ کی ہر نسبت کا احترام لازم ہے۔ اہل محبت ایسی نسبتوں کو سرمایہ ایمان جانتے ہیں۔ بلجیم کے دارالحکومت برسلز میں محمد احمد جابر نے اپنے گھر میں مختلف تبرکات جمع کر رکھے ہیں۔ ان تبرکات میں حضور پاک ﷺ کے موئے مبارک سرفہرست ہیں۔

ہر ماہ گیارھویں شریف کے موقع پر عشاق موئے مبارک ﷺ کی زیارت سے اپنی محبت کو جلا بخشتے ہیں۔ اس بار محمد آصف پراچہ کی دعوت پر 22- دسمبر کو محفل ہوئی۔ جس میں محمد احمد، حفیظ حاجی، سید حسنات شاہ، حاجی مقبول نے ہدیہ عقیدت اور راقم الحروف نے خطاب کیا۔ محفل کے اختتام پر پاکستانی وقت کے مطابق رات 2- بجے قبلہ حضرت علامہ سید ریاض حسین شاہ صاحب نے ٹیلیفون پر دعا کروائی، دعائیہ کلمات سے محفل پر کیف ہوگئی اور اس روح پرور ماحول میں ہر آنکھ اشکبار ہوگئی۔

❁ ❁ ❁

دینی صحافت میں "رضائے مصطفےٰ" اوجِ صحافت کا نیرِ تاباں

محمد حسن علی رضوی

الحمدللہ ماشاءاللہ اہل سنت وجماعت کا بین الاقوامی محبوب ترجمان ماہنامہ ''رضائے مصطفےٰ'' (گوجرانوالہ) جنوری 2008ء کے شمارہ سے اپنی اشاعتی عمر کی 50ویں منزل میں قدم رکھ چکا ہے۔ ''رضائے مصطفےٰ'' آج سے 49سال قبل یادگار اعلیٰ حضرت مجدد دین و ملت فاضل بریلوی ﷫، امام اہل سنت نائب اعلیٰ حضرت محدث اعظم قدس سرہ کی زیر سرپرستی اور پاسبان مسلک رضا، نائب محدث اعظم پاکستان مفتی ابوداؤد محمد صادق صاحب دامت برکاتہم العالیہ کی زیر نگرانی، مولانا الحاج محمد حفیظ نیازی کی ادارت میں شائع ہونا شروع ہوا تھا۔ اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم، حضور نبی اکرم ﷺ کی نظر رحمت، سیدنا غوث اعظم وسیدنا امام اعظم قدس سرہ کے ظل عاطفت، اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کے روحانی تصرف اور محدث اعظم پاکستان کی روشن کرامت اور دعاؤں کی برکت ہے کہ ''رضائے مصطفےٰ'' عالمی سطح پر مذہب حق اہلسنت ومسلک اعلحضرت کی گونجدار آواز وسنیت، حنفیت ورضویت کا بے باک ترجمان ہے۔ اتنی طویل مدت یکساں حالت، کیفیت میں اپنی مستقل مزاجی اور نصب العین کی پختگی کے ساتھ باقاعدگی سے جاری رہنا، عقائد باطلہ ونظریات فاسدہ کا مسلسل تعاقب کرنا، اصلاح معاشرہ میں بھرپور کردار ادا کرنا، اپنوں بیگانوں پر بے لاگ تبصرہ وتعمیری اصلاحی تنقید کرنا، مذہب اہل سنت مسلک اعلحضرت کے خلاف پھیلائے گئے زہریلے ومذموم پراپیگنڈہ کا استیصال کرنا، اہل سنت کی دینی ومذہبی تعلیمی تالیفی واشاعتی سرگرمیوں سے متعارف کرنا، یہ سب ''رضائے مصطفےٰ'' کا حصہ وخاصہ ہے۔ رضائے مصطفےٰ کی اہمیت کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ ''رضائے مصطفےٰ'' کے اجراء کے وقت شہزادہ اعلیٰ حضرت امام العلماء علامہ شاہ محمد مصطفےٰ رضا خان صاحب علیہ الرحمۃ (مفتی اعظم ہند وسجادہ نشین خانقاہ عالیہ رضویہ بریلی شریف) نے اپنی نشستگاہ رضوی دارالافتاء اور خانقاہ عالیہ رضویہ میں ''رضائے مصطفےٰ'' کا پوسٹر لگوایا ہوا تھا جو بہت دنوں تک لگا رہا۔ مرکزی دارالعلوم جامعہ رضویہ منظر الاسلام بریلی شریف اور رضوی دارالعلوم مظہر الاسلام مسجد بی بی جی بریلی شریف کے جلسوں، عرسوں، عیدالفطر وعید قربانی کے پوسٹروں میں ''رضائے مصطفےٰ'' کی خریداری واشاعت کے لئے اپیل ہر سال شائع ہوتی رہی۔ خلیفہ اعلیٰ حضرت ملک العلماء مولانا شاہ محمد ظفر الدین قادری رضوی فاضل بہاری قدس سرہ نے پٹنہ بہار سے ''رضائے مصطفےٰ'' کی عارضی بندش کے دوران بار بار بذریعہ خط دریافت فرمایا کہ ''رضائے مصطفےٰ'' نہیں آیا۔ غالباً اس سے ضمانت طلب ہوئی، بہت اچھا رسالہ ہے۔ یہاں پٹنہ بہار میں بہت لوگ اس کے انتظار میں ہوتے ہیں۔ ''رضائے مصطفےٰ'' آپ لوگوں کی اچھی نمائندگی کر رہا ہے۔'' مفتی محمد صادق صاحب مدظلہ کے نام ایک مکتوب میں ملک العلماء رقمطراز ہیں کہ ''میرا ارادہ تھا کہ ''رضائے مصطفےٰ'' کی خریداری کے متعلق جناب سے خط وکتابت کروں کہ گرامی نامہ موصول ہوا جس میں یہ خوش خبری سنائی کہ ''رضائے مصطفےٰ'' لاؤڈ سپیکر نمبر سے آپ کے نام جاری کر دیا گیا ہے اور اسی طرح آپ کے نام پہنچتا رہے گا۔ جزاکم اللہ تعالیٰ۔ میں اس عنایت کے بدلے خریدار بنانے کی کوشش کروں گا۔'' بحوالہ ہفت روزہ رضائے مصطفےٰ 11 رجب 1380ھ) نبیرہ اعلیٰ حضرت مفسر اعظم علامہ محمد ابراہیم رضا جیلانی علیہ الرحمہ مہتمم وشیخ الحدیث دارالعلوم جامعہ رضویہ منظر اسلام بریلی شریف نے فقیر راقم الحروف کو بذریعہ مکتوب چند بار حکم فرمایا کہ ''رضائے مصطفےٰ'' سے ماہنامہ اعلیٰ حضرت بریلی کا تبادلہ کرا دیں تاکہ ہندوستان کے خریدار دفتر ماہنامہ ''اعلیٰ حضرت'' بریلی میں چندہ ارسال کر کے پرچہ جاری کرالیں اور ماہنامہ ''اعلیٰ حضرت'' کے خریدار دفتر رضائے مصطفےٰ گوجرانوالہ میں سالانہ چندہ جمع کرا کے ماہنامہ ''اعلیٰ حضرت'' جاری کرالیں۔

بریلی شریف میں مختلف سنی ادارے اور ہندوستان کے بہت سے سنی جرائد ورسائل ''رضائے مصطفےٰ'' کے مضامین کو کتابی شکل میں یا اپنے اپنے رسائل میں شائع کرتے رہتے ہیں اور رضائے مصطفےٰ کی محبوبیت کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ ہندوستان سے ہندی اور اردو زبانوں میں بھی ''رضائے مصطفےٰ'' جاری ہو چکا ہے۔ سلطان الہند حضرت خواجہ غریب نواز اجمیری قدس سرہ کے آستانہ عالیہ رضوی گلی رضوی منزل حضرت مفتی اعظم کی نشست گاہ پر بھی ''رضائے مصطفےٰ'' کا پوسٹر لگا ہوا تھا اور دارالخیر اجمیر شریف میں ''رضائے مصطفےٰ'' ذوق وشوق سے پڑھا جاتا ہے۔ آستانہ عالیہ قادریہ برکاتیہ مارہرہ مطہرہ (اعلیٰ حضرت کے پیرخانہ) پر فقیر کی حاضری ہوئی تو خانوادہ عالیہ برکاتیہ، بزرگان وصاحبزادگان کو ''رضائے مصطفےٰ'' کا شیدائی پایا۔ جامعہ اشرفیہ مبارک پور اعظم گڑھ یوپی کے علمی مرکز میں علماء طلباء اور اساتذہ بہت ذوق شوق سے ''رضائے مصطفےٰ'' کا مطالعہ کرتے ہیں اور اس کے منتظر رہتے ہیں۔ مدینۃ العلماء گھوسی شریف میں صدر الشریعہ علامہ محمد امجد علی اعظمی مصنف بہار شریعت کے آستانہ پر اور پیلی بھیت میں شیر بیشۂ اہلسنت علیہ الرحمۃ کے آستانہ حشمتیہ رضویہ پر بھی ''رضائے مصطفےٰ'' کی مقبولیت ومحبوبیت کا جلوہ نظر آیا، یہاں سجادہ نشین اور اساتذہ کرام ''رضائے مصطفےٰ'' کو مسلک اعلیٰ حضرت کا عظیم وبے باک ترجمان سمجھتے ہیں اور اس کے منتظر رہتے ہیں۔ دارالعلوم فیض الرسول براؤن شریف کے ماہنامہ ''فیض الرسول'' اور رام پور کے بعض ماہنامہ رسائل میں اور رسالہ ''دامن مصطفےٰ'' بریلی شریف فقیر کے پاس آتے ہیں اور میں نے بریلی شریف کی حاضری کے دوران بھی دیکھا ان رسائل اہلسنت نے ''رضائے مصطفےٰ'' کے مضامین بشکریہ رضائے مصطفےٰ نقل کئے ہوئے

تھے۔ اہلسنت کے ایک نہایت متصلب عالم دین، محقق ومصنف علامہ بدرالدین احمد قادری رضوی گھورکھپوری علیہ الرحمۃ نے کئی بار فقیر کو حکم فرمایا کہ ''رضائے مصطفےٰ'' میرے نام آنا بند ہے، آپ جاری کرائیں۔ اس طرح رضا اکیڈمی دودھ بازار بمبئی کے سرگرم وفعال کارکن فقیر کو اجمیر مقدس کے عرس کے موقع پر ملے تو ''رضائے مصطفےٰ'' کی دینی مسلکی خدمات کی بہت تعریف کی، انہوں نے ''رضائے مصطفےٰ'' کے بعض مضامین چھوٹے چھوٹے پوسٹروں پمفلٹوں کی صورت میں چھپوا رکھے تھے۔ ''رضائے مصطفےٰ'' درگاہ چار قطب ہانسی ضلع حصار میں بھی دیکھا گیا، وہاں متولی صاحب کے بھائی حکیم پیر فضیل الرحمٰن جمالی نعمانی نے بتایا کہ ''رضائے مصطفےٰ'' نے یہاں لوگوں کو وہابی تبلیغی جماعت کے دام سے بچالیا ہے۔ حضرت محدث اعظم ہند علامہ سید محمد صاحب علیہ الرحمۃ سجادہ نشین آستانہ عالیہ کچھوچھہ شریف نے ''رضائے مصطفےٰ'' کے مسئلہ لاؤڈ اسپیکر پر نماز کے عدم جواز اور رویت ہلال نمبر دیکھے تو بہت پسند فرمائے اور فقیر کو ''رضائے مصطفےٰ'' کی تائید میں فتاویٰ مرحمت فرمائے۔ علامہ محمد ابراہیم خوشتر صدیقی علیہ الرحمۃ نے اپنے میلسی کے دورہ کے دوران فرمایا کہ ''مغربی ویورپی ممالک میں ''رضائے مصطفےٰ'' کی مسلکی تبلیغ کا بہت گہرا اثر ہے، وہاں کے علماء ومشائخ رسالہ ''رضائے مصطفےٰ'' پڑھ کر مذاہب باطلہ کا رد کرتے ہیں۔ رضائے مصطفےٰ کے مفید مضامین انگلش میں ترجمہ کرکے شائع کیے جاتے ہیں۔ مدینہ منورہ میں سرکار اعظم نور مجسم ﷺ کی بارگاہ میں حاضری سے واپس آنے والے حضرات نے فرمایا کہ ''خلیفہ اعلیٰ حضرت قطب مدینہ مولانا الشیخ محمد ضیاء الدین مدنی علیہ الرحمۃ خود ''رضائے مصطفےٰ'' کو نہایت انہماک اور ذوق وشوق سے ملاحظہ فرماتے ہیں اور مختلف ممالک سے حاضر ہونے والے علماء ومشائخ ''رضائے مصطفےٰ'' کو قدر ومحبت کی نظر سے دیکھتے ہیں''۔ نواسہ اعلیٰ حضرت مفتی تقدس علی خان علیہ الرحمۃ لکھتے ہیں ''رضائے مصطفےٰ'' کا حجۃ الاسلام نمبر دیکھ کر بڑی مسرت ہوئی، ماشاء اللہ بہت ہی عمدہ ترتیب اور بہترین مضامین سے مزین ہے، اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر عطا فرمائے''۔ رئیس التحریر علامہ ارشد القادری علیہ الرحمۃ مفتی محمد صادق صاحب مدظلہ کے نام مکتوب میں رقمطراز ہیں کہ ''بخدمت نقیب مذہب اہل سنت، ترجمان مسلک اعلیٰ حضرت السلام علیکم۔ مقدس جریدہ رضائے مصطفےٰ کے ہر شمارے میں جس جرأت مومنانہ کے ساتھ آپ فرقہائے باطلہ کے مکائدہ ضلالات کا پردہ چاک کرتے ہیں، وہ آپ ہی کے قلم کا حصہ ہے۔ مولائے قدیر آپ کو احقاق حق وابطال باطل پر اجر جزیل اور جزائے جمیل کی نعمت وعزت سے سرفراز کرے آمین۔ اس دور ابتلا میں جبکہ اتحاد اُمت کے نام پر کھلے بندوں اعتقادی وعملی نفاق کی ترغیب دی جارہی ہے ایسے گمراہ کن ماحول میں مسلک حق کے تحفظ کی خدمت بالکل ایسی ہے جیسے کسی نے آندھیوں کی زد پر چراغ جلایا ہو اور بفضلہ تعالیٰ اسے زندہ رکھا ہو''۔ تحریک آزادی کے صف اول کے رہنما علامہ محمد عبدالحامد بدایونی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں ''رضائے مصطفےٰ۔۔۔ نے اپنے مضامین کی جامعیت اور حسن ترتیب کے لحاظ سے ایک مقام حاصل کرلیا ہے۔۔۔۔ میری دلی دعا ہے کہ ہمارا یہ پرچہ قوم میں سب سے زیادہ کامیاب اور ہر دلعزیز ہو آمین''۔ مفسر قرآن مفتی احمد یار خان نعیمی علیہ الرحمۃ نے فرمایا کہ ''میں اپنی مصروفیات کے باعث بہت کم رسائل پڑھتا ہوں مگر رضائے مصطفےٰ کو ضرور دیکھتا ہوں، ماشاء اللہ رضائے مصطفےٰ کے مضامین بہت عمدہ اور پسندیدہ ہوتے ہیں''۔ یہ چند تاریخی واقعات وتاثرات مدت مدید سے میرے علم میں تھے، رضائے مصطفےٰ کی سالگرہ کے موقع پر بعجلت تحریر کردیے ہیں۔ مذکورہ بالا اکابر ومقتدر علماء ومشائخ کی آراء درحقیقت رضائے مصطفےٰ کے نعرۂ حق کی تائید وحمایت ہے۔ (فالحمد للہ علی ذالک)